فہرست مضمون نگاران معارف

جلد ۸۰

جولائی ۱۹۵۷ء تا دسمبر ۱۹۵۷ء

(بہ ترتیب حروف تہجی)

فہرست مضامین معارف

جلد ۸۰

جولائی ۱۹۵۷ء تا دسمبر ۱۹۵۷ء

(بہ ترتیب حروف تہجی)

جلد ۱۰ ماہ ذوالحجہ ۱۳۷۶ھ مطابق ماہ جولائی ۱۹۵۷ء عیسوی نمبر ۱

مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شذرات

ادارہ ثقافتِ اسلامیہ لاہور کے بعض مفید علمی خدمات کے ساتھ ساتھ اس کی تجدد نوازی بھی واقف کاروں سے مخفی نہیں ہے لیکن معارف نے اس کے خیالات سے کبھی تعرض نہیں کیا، اس کے باوجود اس کا رسالہ ثقافت دارالمصنفین اور معارف پر وقتاً فوقتاً چوٹ کرتا رہتا ہے، ہم نے اُس کی جانب بھی توجہ نہیں کی، مگر اس مرتبہ ایک خالص علمی بحث میں اسکے ایک زود رنج اور خوش فہم رکن معارف سے اس درجہ برہم ہو گئے کہ اُن کے قلم پر جو کچھ آیا بے تحاشا لکھ مارا، اور اس لپیٹ میں صدق جدید اور الفرقان کو بھی لے لیا،

معارف میں اجتہاد پر ایک مضمون نکل رہا ہے کہ اس کے معنی و مفہوم و حدود و شرائط کیا ہیں، کن مسائل میں اجتہاد ہو سکتا ہے، کن میں نہیں ہو سکتا، تجدد نواز مجتہدین نے اس میں جو وسعت پیدا کی ہے اور اس کے جو دلائل دیتے ہیں وہ کہاں تک صحیح ہیں یہ ایک خالص علمی و اصولی بحث ہے، جس کو کسی شخص یا متعین کتاب سے کوئی تعلق نہیں لیکن اس سلسلہ میں ضمناً ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ کے رکن مولوی محمد حنیف صاحب کی کتاب اجتہاد کے بعض خیالات بھی زیرِ بحث آگئے ہیں، اس سے اُن کو یہ غلط فہمی ہوئی کہ دراصل اس مضمون کا اصل رخ اُن کی کتاب کی طرف ہے، اس خوش فہمی میں وہ اتنے از خود رفتہ ہو گئے کہ تھانہ بھونی شارح، ملّایانہ تصوف" "حلقۂ مقدسین" اور فتواے کفر" وغیرہ اُن کے ترکش میں طعن و طنز کے جتنے تیر تھے سب دارالمصنفین، معارف، صدق جدید اور الفرقان پر چلا دیئے، اس پر بھی ہم یہ کہہ کر خاموش رہتے کہ

ع بیا کہ ما سپر انداختیم گر جنگ است

لیکن وہ بار ہا دارالمصنفین پر حملے کر چکے ہیں اور حضرت سید صاحب مرحوم پر بھی برابر چوٹ کرتے رہتے ہیں، اس مرتبہ بھی انھوں نے اسی "اسلامی ثقافت" کا ثبوت دیا ہے، اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ کچھ اُن کے بھی گوش گذار کر دیا جائے۔

انھوں نے دارالمصنفین کو جن القاب سے نوازا ہے اور جن کو وہ اپنے نزدیک بہت بڑی گالی سمجھتے ہیں ہم کو ان کے قبول کرنے میں کوئی شرم و عار نہیں ہے، البتہ مضمون نگار کی ذہنیت اور ناواقفیت پر ضرور حیرت ہوتی ہے کہ وہ بے سمجھے بوجھے چند رٹے ہوئے الفاظ استعمال کرتے رہتے ہیں، اور اُن کو اس کی بھی خبر نہیں کہ دارالمصنفین اور اس کے موجودہ رفقاء و مصنفین میں سے کسی کو ان القاب سے کوئی نسبت نہیں ہے، دارالمصنفین کی جو علمی و دینی پالیسی پہلے تھی وہی اب بھی ہے، اس میں کوئی فرق نہیں آیا ہے، لیکن اگر تھانہ بھونیت اور ملّایانہ تصوف نام ہے تمسک بالدین اور تجدد اور مغرب زدگی سے احتراز کا، تو ہم کو فخر ہے کہ دارالمصنفین کچھ اس سے بھی بڑھ کر ہے،

حضرت سید رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق بھی یہ عجیب غلط فہمی ہے کہ راہِ سلوک میں آنے کے بعد وہ علم کا کوچہ چھوڑ کر بالکل خانقاہی صوفی ہو گئے تھے، جو سراسر غلط ہے، اس میں شبہ نہیں کہ اس کے بعد اُن کا مذہبی رنگ بہت گہرا ہو گیا تھا جس کا اثر اُن کے خیالات اور تحریر پر بھی پڑا تھا، مگر اس کو خانقاہیت سے کیا تعلق، تصوف احسان یا کمال دین تو عین مطلوب ہے، مگر اسی کے ساتھ اُنکا علمی ذوق بھی برابر قائم رہا جس پر اُن کے اس دور کے مضامین اور تصانیف شاہد ہیں، اُن کے آخری دور کے ان خطوط سے بھی اس کا اندازہ ہو سکتا ہے جو معارف میں شائع ہوئے ہیں، پھر تصوف ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ والوں کے بھی چڑھنے کی چیز نہیں، جب کہ وہ خود امام غزالی اور مولانا روم کی حکمت و فلسفہ کے شارح اور مبلّغ ہونے کے مدعی ہیں، جو امام الصوفیہ تھے، ان دونوں کی حکمت پر ادارہ کے ارکان کے مضامین بلکہ مستقل کتابیں نکلتی رہتی ہیں، رومی اور غزالی کی حکمت و فلسفہ کے اعتراف کے ساتھ تصوف سے بیزاری بھی عجیب چیز ہے،

درحقیقت زود رنج مضمون نگار نے یہ مضمون بڑی برہمی کی حالت میں لکھا ہے، اس لئے وہ اس پریشان خیالی اور زبان کی ناشائستگی میں ایک حد تک معذور بھی ہیں، مگر اتنی زود رنجی، غیظ و غضب اور تلخ کلامی علمی زندگی کے لئے مناسب نہیں ہے، اس کے لئے ضبط و تحمل، اور زبان و قلم کی شائستگی ضروری ہے، ورنہ ثقافتِ اسلامیہ اور لاہور کے چوراہے کی زبان میں کوئی فرق نہ رہ جائیگا،

باقی پاکستان و ہندوستان کے نظریۂ حیات میں اختلاف، ہندوستان کی سیکولرزم، پاکستان کی اسلامی آئیڈیالوجی، اس کے مطابق اسلامی معاشرہ کی تشکیل، نئے پیدا شدہ مسائل میں اجتہاد اور جدید فقہ کی تدوین کے بارہ میں جو کچھ کہا ہے اس کی حیثیت خوشنما الفاظ سے زیادہ نہیں ہے، جدید فقہ کی تدوین کی ضرورت سے کسی کو انکار نہیں، لیکن یہ کام ادارۂ ثقافت کے ائمہ مجتہدین کے بس کا نہیں ہے، ورنہ اگر اسلامی آئیڈیالوجی کا نمونہ اسلامی معاشرہ کی تشکیل اور نئے مسائل کے حل کا طریقہ وہی ہے جو ثقافت کے اوراق میں نظر آتا ہے کہ اسلامی احکام و قوانین کو توڑ مروڑ کر مغربی سانچہ میں ڈھالا جائے، تو ایسا اسلامی معاشرہ اور اسلامی نظام سیکولرزم کو بھی شرمائیگا، ہندوستان اپنی سیکولرزم کے باوجود اس راہ میں ابھی پاکستان سے بہت پیچھے ہے،

آج سے دس بارہ سال پہلے مولانا محمد اسحاق صاحب استاد دار العلوم ندوۃ العلماء نے اسلامی حکومت کے دستورِ اساسی پر ایک کتاب لکھی تھی، مگر کچھ اتفاقات و حوادث ایسے پیش آتے گئے کہ اب تک اس کی اشاعت کی نوبت نہ آسکی، اس زمانہ میں جب کہ حکومت کے مختلف دنیاوی نظاموں کا تجربہ ہو رہا ہے، اور وہ سب عالمِ انسانیت کی فلاح سے قاصر ہو رہے ہیں، ضرورت تھی کہ خالقِ کائنات کے بنائے ہوئے نظام کو بھی دنیا کے سامنے پیش کر دیا جائے، اس لئے دار المصنفین نے اس کتاب کو شائع کیا ہے، اب وہ چھپ کر تیار ہو گئی ہے، اور اس مہینہ کے آخر تک شائع ہو جائے گی، اس کتاب کا مسودہ حضرت سید صاحب کی نظر سے بھی گذر چکا ہے، اس کی ضخامت سوا تین سو صفحات اور قیمت صر ہے، امید ہے کہ اپنے موضوع کی بنا پر یہ کتاب ذوق و شوق سے پڑھی جائیگی،

مقالات

کیا متفقہ اسلامی احکام کو بھی اجتہاد سے بدلا جاسکتا ہے

از

مولوی حافظ مجیب اللہ صاحب ندوی رفیق دار المصنفین

(۳)

اوپر کتاب و سنت اور فقہا کے اصول سے اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ پیش آمدہ مسائل میں کتاب و سنت کے متفقہ اسلامی احکام ہی کو ماخذ بنا کر ان کا حل تلاش کرنا چاہئے، نہ یہ کہ ان احکام ہی کو اجتہاد کا ہدف بنا کر ان کو تبدیل کر دینا چاہئے، اب خلفائے راشدین کے عام طرزِ عمل پر بھی ایک نظر ڈال لینی چاہئے، جس سے اندازہ ہو جائے گا کہ وہ زندگی کے بڑے بڑے مسائل ہی میں نہیں بلکہ چھوٹے اور معمولی مسئلوں میں بھی کتاب و سنت کی پیروی ہی پر زور دیتے تھے، اور اسی کو اپنے لئے باعثِ سعادت سمجھتے تھے، اگر ان کے دو چار فیصلے بظاہر کتاب و سنت کے خلاف نظر آتے ہیں، اور جن کو ہمارے جدید مجتہدین اپنے مفروضات کے ثبوت میں پیش کرتے ہیں، تو ان کے بیشمار فیصلے اور ان کی زندگی کا پورا طرزِ عمل اس بات پر شاہد ہے کہ کتاب و سنت کا حکم معلوم ہو جانے کے بعد انھوں نے اپنے بہت سے کئے ہوئے فیصلے بدل دیئے ہیں، اور پھر معمولی باتوں ہی میں نہیں بلکہ وہاں بھی جہاں مسلمانوں کی حیات و زیست کا مسئلہ درپیش تھا، انھوں نے یہ تو ضرور کیا کہ کسی حکم کے دو پہلوؤں میں سے ایک پہلو کو ترجیح دی ہے، یا کسی حکم کو شرعی مصلحت کے تحت مؤخر

کردیا ہو مگر اس کی ایک مثال بھی نہیں مل سکتی کہ انھوں نے کسی صریح متفق علیہ حکم کو کسی شرعی دلیل کے بغیر محض مصلحت اور ضرورت کے تحت بدل دیا ہو یا موخر ہی کر دیا ہو،

دارمی نے میمون بن مہران کے واسطہ سے حضرت ابوبکر صدیقؓ کا طرزِ عمل ان الفاظ میں نقل کیا ہے،

اذا ورد علیہ الخصم نظر فی کتاب اللّٰہ فان وجد فیہ ما یقضی بہ بینھم قضٰی بینھم وان لم یکن فی الکتاب و علم من رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فی ذلک الامر سنۃ قضٰی بھا فان اعیاہ خرج فسأل المسلمین وقال اتانی کذا وکذا فھل علمتم ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قضٰی فی ذالک بقضاءٍ فربما اجتمع علیہ النفر کلھم یذکر عن رسول اللّٰہ صلعم فیہ قضاءً فیقول ابوبکر الحمد للّٰہ الذی جعل فینا من یحفظ علینا دیننا[1]

جب اُن کے سامنے کوئی اختلافی معاملہ آتا تو اس کا فیصلہ کرنے کے لئے سب سے پہلے کتاب اللہ میں غور کرتے، اگر کتاب اللہ میں حکم مل جاتا، تو اسی کے مطابق فریقین کے درمیان فیصلہ کرتے اگر کتاب اللہ میں اس کا کوئی حکم نہ ملتا، اور سُنّتِ نبوی میں مل جاتا، تو اس کے مطابق فیصلہ کرتے تھے، اگر کتاب و سُنّت دونوں میں اس کا حکم نہ ملتا، تو عام مسلمانوں سے دریافت فرماتے تھے، کہ اگر تم میں کسی کو اس طرح کے معاملہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی فیصلہ کا علم ہو تو بتائے، چنانچہ بسا اوقات متعدد آدمی اگر اس بارے میں سنت نبویؐ کی اطلاع دیتے تو آپ فیصلہ پا کر فرماتے تھے خدا کا شکر ہے کہ اُس نے ہم میں ایسے آدمی پیدا کر دیئے ہیں جو ہمارے لئے ہمارے دین کو محفوظ کئے ہوئے ہیں،

[1] مفتاح الجنۃ صفحہ ۲۲، مقدمہ دارمی، الرسالہ امام شافعی

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خدمت میں ایک عورت آئی جو اپنے پوتے کے ترکہ سے حصہ چاہتی تھی، آپ نے اس سے کہا کہ کتاب اللہ میں تیری وراثت کا ذکر نہیں ہے، نہ میرے علم میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی اسوہ ہے جس سے پتہ چلتا کہ آپ نے دادی کو پوتے کے ترکہ سے حصہ دیا ہو، تم اس وقت واپس جاؤ میں دوسرے اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کروں گا، چنانچہ آپ نے عام صحابہ سے اس بارے میں دریافت فرمایا حضرت مغیرہ ابن شعبہؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فیصلہ کی اطلاع دی کہ آپ نے پوتے کے ترکہ سے دادی کو ⅙ میراث دی تھی حضرت صدیقؓ نے دوسرے صحابہ سے پوچھا کہ کسی اور شخص کو بھی اس کا علم ہے، محمد بن مسلمہ انصاریؓ نے مغیرہ ابن شعبہؓ کی تائید کی، تو حضرت صدیقؓ نے اس سنتِ نبوی کے مطابق اس عورت کو میراث دلوائی،

نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اسامہؓ کی سرکردگی میں ایک فوج رومیوں کی نقل و حرکت کی نگرانی کے لئے بھیجنا چاہتے تھے، کہ آپ کی وفات ہوگئی، حضرت صدیقؓ جب خلیفہ ہوئے تھے، تو انھوں نے اس فوج کو روانہ کرنا چاہا، عام صحابہ بعض مصالح کے پیشِ نظر اس کے مخالف تھے، مگر حضرت صدیقؓ نے اصرار کیا، اور عام صحابہ سے فرمایا کہ جس حکم کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نافذ فرما گئے ہیں، میں اس کو واپس نہیں لے سکتا، اسی طرح جب آپ نے مانعین زکوٰۃ کی سرکوبی کے لئے فوج روانہ کرنے کا ارادہ ظاہر فرمایا تو بھی عام صحابہ نے مخالفت کی تھی کہ حضرت فاروقؓ بھی اس میں آپ کے ساتھ نہ تھے، انھوں نے آپ کو اس سے باز آنے کے لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول بھی پیش کیا کہ آپ نے فرمایا ہے کہ "جس شخص نے کلمۂ لا الٰہ پڑھ لیا، اس کی جان اور اس کا مال محفوظ ہوگیا، مگر حضرت صدیقؓ جن کی نظر اس حکم کے ہر پہلو پر تھی، انھوں نے اس دلیل کا جواب اسی دلیل سے یہ دیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ساتھ یہ بھی فرما دیا ہے کہ الا بحق الاسلام یعنی کلمۂ لا الٰہ پڑھنے کے بعد آدمی کا جان و مال ضرور محفوظ ہو جاتا ہے لیکن اگر اسلام کا کوئی حق ہوگا، تو اس کے جان و مال کی حفاظت باقی نہیں رہے گی، اور یہاں یہی صورت ہے کہ اسلام کے ایک اہم حق زکوٰۃ کو ہڑپ کر جانا چاہتے ہیں،

غور فرمایئے کہ ان میں بعض امور مثلاً جنگ وغیرہ ایسے ہیں جن کے بارے میں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کی طرف سے اجازت ہے کہ موقع ومحل کا جو تقاضا ہو اسی کے مطابق عمل کیا جائے، مگر حضرت صدیقؓ نے محض مشتبہ خطرات و مصالح کی وجہ سے فیصلۂ نبوی کو بدلنا مناسب نہیں سمجھا،

حضرت عمرؓ جن کے بعض فیصلوں کو اُن کی روح کو سمجھے بغیر تبدیلی احکام کے ثبوت میں پیش کیا جاتا ہے، اجتہاد کے بارے میں ان کا عام طرز عمل اور انکی وہ ہدایتیں ملاحظہ ہوں جو وہ مملکت اسلامیہ کے امراء کو وقتاً فوقتاً روانہ فرمایا کرتے تھے،

قاضی شریح کو آپ نے جو ہدایت نامہ بھیجا تھا، اس میں سب پہلی بات یہ تھی

اذا حضرك امر لا بد منه	جب تمہارے سامنے کوئی ایسا معاملہ
فانظر ما فی کتاب اللہ فاقض	پیش آئے جس میں رائے دینا ضروری
به فان لم يكن فيما قضى به	ہو تو سب سے پہلے کتاب اللہ میں اس کا
الرسول صلى الله عليه وسلم	حکم تلاش کرکے اس کے مطابق فیصلہ کروگے،
فان لم يكن فيما قضى به	کتاب اللہ میں کوئی حکم نہ ملے تو پھر سنت
الصالحون وائمة العدل	نبوی کے مطابق فیصلہ کرو، اگر سنت نبوی
فان لم يكن فاجتهد برايك،[۵۰]	بھی خاموش ہو تو صلحاء اور ائمۂ عدل نے جو
	اس طرح کے معاملہ میں جو فیصلہ کیا ہو اس
	کو سامنے رکھو اگر یہ بھی نہ ہو تو پھر خود

اجتہاد کرو

اس سے بھی زیادہ مفصل ہدایت آپ نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو روانہ فرمائی تھی، جو اس وقت عراق کے امیر تھے، یہ ہدایت نامہ اتنا جامع ہے کہ اس سے فقہاء نے سیکڑوں احکام کا استنباط کیا ہے، اس کا کچھ حصہ ہم

۵۰ اعلام الموقعین ج ۱ ص ۸۰ و مفتاح الجنۃ ص ۳۲،

اوپر نقل کر آئے ہیں، ایک بار کچھ لوگ حدیث نبوی کا تذکرہ کر رہے تھے، ایک شخص نے کہا کہ یہ تذکرہ چھوڑو کتاب اللہ کا ذکر کرو، حضرت عمرؓ نے سنا تو بہت برہم ہوئے، اور فرمایا کہ احمق حدیث نبوی تو قرآن کی تفسیر ہے، اس کو چھوڑنے کو کہتا ہے،

انّ القرآن احکم والسنۃ	قرآن اصول دنیا ہے، اور سنت اس کی
تفسرہ،	تفسیر کرتی ہے،

حضرت عمرؓ نے ایک بار فرمایا کہ اگر میں اپنی رائے کے مقابلہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے کو رد کر سکتا تو صلح حدیبیہ کے دن رد کر دیتا جب ایک طرف کفار کی قید سے گردن چھڑا کر ابو جندلؓ پا بہ زنجیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر پناہ کی درخواست کی، مگر کفار نے ان کی واپسی کا مطالبہ کیا اور آپ انھیں واپس کر رہے تھے، دوسری طرف کفار کا مطالبہ یہ تھا کہ معاہدہ کے سرنامہ پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے بجائے باسمک اللّٰھم لکھا جائے، گو میں اس معاہدہ سے متفق نہیں تھا، مگر آپ نے جب یہ فرمایا کہ جب میں راضی ہوں تو تم کو اس کی مخالفت نہ کرنی چاہئے تو پھر میں نے آپ کے ارشاد کے سامنے گردن نیاز جھکا دی،[۵۲]

حضرت عمرؓ نے ایک بار دیت کے بارے میں یہ فیصلہ فرمایا کہ دیت مقتول کے قریبی ورثہ میں ملے گی، بیوی کو اس میں سے حصہ نہ ملے گا، لیکن جب ایک صحابی ضحاک بن سفیان نے آپ کو مطلع کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اشیم ضبابی کی بیوی کو اُن کی دیت سے حصہ دیا تھا تو آپ نے فوراً رجوع کر لیا،[۵۳]

اسی طرح ایک مرتبہ جنین کے ضائع کر دینے کا مسئلہ سامنے آیا آپ نے لوگوں سے اس بارے میں سنت نبوی دریافت کی، ایک صحابی مالک بن نابغہؓ نے اپنا ذاتی واقعہ بیان کیا کہ میرے دو بیویاں تھیں،

۵۱ اعلام الموقعین جلد ۱ ص ۲۹، ۵۲ مفتاح الجنۃ فی الاحتجاج بالسنۃ ص ۲۲،

۵۳ ایضاً ص ۲۱ و ابو داؤد،

جن میں ایک حاملہ تھی، دوسری بیوی نے کسی بات پر حاملہ بیوی کو ایک چھڑی ماردی جس سے جنین پیٹ میں گیا، جب یہ معاملہ خدمتِ نبوی میں گیا، تو آپ نے دوسری بیوی سے اس کا تاوان دلایا، حضرت عمرؓ نے جب فیصلۂ نبوی سنا تو بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ

ان کدنا نقضی فیہ برأینا، — اگر ہم یہ فیصلہ نہ سنتے تو قریب تھا کہ اپنی رائے سے فیصلہ کرڈالتے،

بخاری میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے ابتداے خلافت میں مجوسیوں پر جزیہ عائد نہیں کیا تھا لیکن جب اُن کو علم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجر[1] کے مجوسیوں پر جزیہ لگایا تھا، تو اپنا فیصلہ واپس لے لیا، اور جزیہ عاید کردیا،

اسی طرح غسلِ جنابت، تکبیر جنازہ اور استلام حجرِ اسود وغیرہ میں اپنی رائے کے مقابلہ میں سنّت نبوی کو ترجیح دی، جو لوگ کتاب وسنّت سے بے پروا ہو کر محض اپنے اجتہاد وقیاس سے دینی مسائل میں رائے دیتے ہیں اُن کے بارے میں اُن کا ارشاد ہے

اصحاب الرای اعداء السنن اعیتھم الاحادیث ان یحفظوھا وتفلتت منھم ان یعوھا واستحیوا حین سئلوا ان یقولوا لا نعلم فعارضوا السنن برائیھم فایاکم وایاھم، — اپنی رائے پر عمل کرنے والے سنتوں کے دشمن ہیں، وہ احادیثِ نبوی کی حفاظت سے بھی عاجز رہے، اور وہ ان کے احاطۂ علم میں بھی نہ آسکیں، تو جب اُن سے کوئی سوال کیا جاتا تو اُن کو شرم محسوس ہوتی کہ یہ کیسے کہیں کہ ہم کو اس کا علم نہیں، اس لئے اٹکل پچو بات کہدی، یہ بات عام طور پر سنّتِ نبوی کے خلاف ہوتی تو تم اُن

[illegible]

[1] ابوداؤد، ہجر بحرین کے قریب ایک معروف تجارتی مرکز تھا جس میں یہودی عیسائی اور مجوسی آباد تھے،

غور کیجئے کہ جس نے زندگی بھر خود ہر معاملہ میں کتاب اللہ وسنۃ رسول اللہ کی پیروی کی ہو، اُن کے مقابلہ میں اپنی سیکڑوں رایوں اور اجتہادات کو بدل دیا ہو، اور پوری امت کو اس صراطِ مستقیم پر چلانے کی کوشش کی ہو، اس کے بارے میں یہ کہنا کتنی بڑی جسارت ہے کہ اُس کے بعض فیصلے کتاب اللہ اور سنّت رسول اللہ کے خلاف ہیں،

حضرت فاروقؓ نے جن معاملات میں کتاب وسنّت کے مقابلہ میں اپنے فیصلے بدلے ہیں وہ محض عقائد وعبادات ہی سے متعلق نہیں ہیں، بلکہ وہ زیادہ تر سیاست، معیشت اور معاشرت سے متعلق ہیں جن کے بارے میں جدید مجتہدین کا ارشاد ہے کہ زندگی کے یہ شعبے تو خالص دنیاوی یا غیر تعبدی ہیں اس لئے ان میں ہمیں کتاب وسنّت کی پیروی ضروری نہیں ہے، ان میں کتاب وسنّت کی ہدایات حکم کا درجہ نہیں بلکہ محض مشورہ کی حیثیت رکھتی ہیں،

بعض اجتہادی مسائل میں بعض صحابہ حضرت عثمانؓ سے اختلاف رکھتے تھے، مگر وہ چونکہ ان مسائل کو کتاب وسنّت کے موافق سمجھتے تھے، اس لئے ان پر آخر وقت تک عمل کرتے رہے،

حضرت عثمانؓ اُس شخص کو سزا دیتے تھے جو عدت کی حالت میں کسی عورت سے نکاح کرلیتا تھا، وہ فرماتے تھے، جب قرآن میں عدت کی حالت میں نکاح کی ممانعت آئی ہے، تو پھر اُس کی مخالفت کرنے والے کو سزا ضرور ملنی چاہئے،

حضرت عثمانؓ کی نگاہ اس پہلو پر تھی کہ اگر کتاب وسنّت کے حکم کی خلاف ورزی کرنے والے کو سزا نہ دی جائے، تو پھر اُس کے تمام احکام مسخر بن کر رہ جائیں گے، اگر قرآن کا یہ حکم محض مشورہ کی حیثیت رکھتا تو حضرت عثمانؓ کبھی اس حکم کی خلاف ورزی کرنیوالے کو سزا نہ دیتے،

ایک بار حج کے موقع پر کسی نے رکن یمانی[2] کو بھی بوسہ دیا، حضرت عثمانؓ نے دیکھا تو فرمایا کہ

[1] خلفائے راشدین [2] صرف حجرِ اسود کے بوسے کا حکم حدیثِ نبوی میں آیا ہے،

تم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا بوسہ دیتے دیکھا ہے، بولا نہیں فرمایا تو پھر آپ ہی کی اقتدا کرو، [۱]

کتاب و سنت کے بارے میں حضرت علیؓ کی شدت ضرب المثل ہے، ان کا مشہور مقولہ ہے کہ

لو کان الدین بالرای لکان
باطن القدمین احق بالمسح
من ظاهرهما وقد مسح النبی
صلی اللہ علیہ وسلم علی ظهر خفیه [۲]

اگر دین کا دارومدار محض رائے و قیاس
پر ہوتا تو پیر کے اوپر کے حصہ کی بجائے
نیچے کے حصہ کا مسح کرنا ضروری ہوتا،
کیونکہ گرد و غبار اور گندگی زیادہ تر
نچلے حصہ میں لگتی ہے، مگر چونکہ نبی
صلی اللہ علیہ وسلم نے موزہ کے اوپر

مصنف ابن ابی شیبہ [illegible]

فرماتے تھے کہ اگر کسی حدیث نبوی کے الفاظ سے متعدد معنی نکلتے ہوں تو اسی پہلو کو اختیار کرو جو ہدایت و تقویٰ کے قریب ہو

غور کیجئے کہ جو لوگ ادنیٰ ادنیٰ باتوں میں بھی کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کا دامن نہیں چھوڑتے تھے، حتیٰ کہ ان امور میں بھی کتاب و سنت نبوی کی پیروی کرتے تھے جن میں اُن کو آزادی دی گئی تھی، اُن کے بارے میں یہ کہنا کتنی ڈھٹائی کی بات ہوگی کہ انھوں نے اپنے بعض فیصلوں میں قرآن و سنت کی مقرر کردہ حرام و حلال کی قیود کو بھی توڑ ڈالا ہے، ایک طرف ان کی زندگی کا پورا طرز عمل ہے، دوسری طرف اُن بعض فیصلوں کو توڑ مروڑ کر پیش کیا جاتا ہے آدمی کی زندگی کے پورے طرز عمل کو نظر انداز کر کے اس کی چند باتوں کو توڑ مروڑ کر جب بھی کسی نتیجہ پر پہنچنے کی کوشش کی گئی ہے، تو ہدایت کے بجائے گمراہی کا راستہ کھلا ہے،

اگر خلفائے راشدین کا کوئی فیصلہ بظاہر کتاب و سنت کے خلاف نظر آتا ہے، تو اس کی دو صورتیں

---

[۱] مسند احمد جلد ا ص ، [۲] ایضاً سنن ابو داؤد [۳] مسند احمد ج ا ص ۱۳۰،

ہو سکتی ہیں، ایک یہ کہ اس کی پوری تحقیق کرائی جائے کہ ایسا تو نہیں ہے کہ وہ فیصلہ ان کی طرف غلط منسوب ہو گیا ہے، جیسا کہ طلاق ثلاثہ کے بارے میں حضرت عمرؓ کی طرف یہ منسوب ہو گیا ہے کہ سب سے پہلے ایک مجلس میں دی ہوئی تین طلاقوں کو طلاق بائن انہی نے قرار دیا،

حالانکہ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نفاذ فرمایا تھا،

دوسری صورت یہ ہے کہ ایک حکم کے جتنے پہلو ہوں ان سب کو اور ان کے ساتھ ان مصالح کو بھی پیش نظر رکھا جائے جن کی بنا پر شریعت نے عارضی طور پر کسی حکم کے مقدم و مؤخر کرنے کی اجازت دی ہے، اگر اس حیثیت سے غور کیا جائے گا تو پھر معلوم ہو جائے گا کہ ان کے جتنے فیصلے ہیں وہ کتاب و سنت کے خلاف نہیں، بلکہ ان کے منشا کے عین مطابق ہیں، یہ ہمارا قصور فہم ہے کہ ہم ان کے فیصلوں کی گہرائیوں تک نہیں پہنچ سکے،

مثلاً حضرت عمرؓ نے قحط کے زمانہ میں چوروں کی سزا ملتوی کر دی تھی، بظاہر آپ کا یہ فیصلہ حکم قرآنی کے صریح خلاف نظر آتا ہے مگر جو لوگ اس میں غور کریں گے اُن کو نظر آئے گا، کہ جس قحط میں انھوں نے اس حکم کو ملتوی کیا تھا، اس میں لوگوں کے فقر و فاقہ کا حال یہ تھا کہ درخت کی پتیاں تک کھا جاتے تھے، کیا اس اضطرار کی حالت میں جس میں قرآن نے سور اور مردار کھانے کی اجازت دی ہے، اس میں حضرت عمرؓ قطع ید کی آیت پر عمل کرتے یا اضطرار والی آیت پر کیا اُن کا یہ طرز عمل قرآن کے خلاف کہا جائے گا، یا اُس کے منشا کے عین مطابق،

اب ہم خلفائے راشدین کے ان تمام فیصلوں پر بحث کر کے بتائیں گے کہ ان کے جو فیصلے اس دور کے مجتہدین کو کتاب و سنت کے خلاف نظر آتے ہیں، وہ حقیقتاً اُن کے خلاف نہیں، بلکہ ان کے منشا کے عین مطابق ہیں،

بنو نضیر، فدک، اور خیبر کی زمین اور مؤلفۃ القلوب کی مدد کے مسئلے

جن مسائل کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ ان میں خلفائے راشدین نے کتاب و سنت کی تصریحات کے خلاف عمل کیا، اُن میں سے ان دو مسئلوں کا تعلق حضرت صدیقؓ کے عہدِ حکومت سے ہے۔ اس لئے انہی مسئلوں سے اس بحث کا آغاز کیا جاتا ہے،

فدک اور دوسری زمینوں کا مسئلہ

بنو نضیر، فدک اور خیبر کی جو زمینیں آپ کی نگرانی میں تھیں اُن کی آمدنی کو آپ سامانِ جہاد کی تیاری، مسافروں، مہمانوں اور دوسرے رفاہِ عام کے کاموں کے علاوہ ازواجِ مطہرات اور اہلِ بیت کی کفالت میں بھی صرف فرماتے تھے، اسی لئے آپ کی وفات کے بعد ازواجِ مطہرات اور اہلِ بیتِ نبوی کو خیال پیدا ہوا کہ وہ زمینیں جو آپ کی ذاتی نگرانی میں تھیں، اُن کو بطور وراثت ملنی چاہئیں، مگر جب حضرت عائشہؓ، حضرت صدیقؓ اور حضرت فاروقؓ نے اُن کو قرآن و سنت کی روشنی میں یہ سمجھایا کہ آپ ان زمینوں میں جو تصرف فرماتے تھے، وہ ذاتی و شخصی حیثیت سے نہیں، بلکہ بحیثیت نبی کے کرتے تھے یعنی آپ کا اُس پر قبضہ قبضہ مالکانہ نہیں بلکہ قبضہ حاکمانہ تھا، پھر انبیاء کی یہ سنت رہی ہے کہ وہ جو کچھ چھوڑ جاتے ہیں، اس میں وراثت نہیں چلتی بلکہ وہ عامۃ المسلمین کا حق ہوتا ہے، اس لئے ان زمینوں کو مستقل طور سے کسی مخصوص گروہ یا افراد کی نگرانی و قبضہ میں نہیں دیا جا سکتا، یہ زمینیں اسلامی حکومت کے قبضہ میں رہیں گی، البتہ ان سے آپ حضرات کی جو مدد حیاتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ہوتی تھی، وہ بدستور جاری رہے گی، چنانچہ اس کے بعد ازواجِ مطہرات اور اہلِ بیتِ نبوی کے تمام افراد مطمئن ہو گئے، اور ان میں سے بیشتر کے دل میں اس کی ملکیت کا کوئی خیال باقی نہیں رہا،

اس مسئلہ کے سلسلہ میں حضرت صدیقؓ اور حضرت فاروقؓ نے جو طرزِ عمل اختیار کیا وہ قرآن و سنت کے خلاف نہیں، بلکہ اُن کے منشاء کے عین مطابق تھا، اور اس پر یہی نہیں کہ تمام اہل سنت

کا اتفاق ہے بلکہ حق پسند شیعہ ائمہ اور علما نے بھی اس کی تصویب و تائید کی ہے،

اس مسئلہ کی اس سے زیادہ تفصیل اس لئے نہیں کی گئی ہے کہ اس موضوع پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے بلکہ اس پر مستقل کتابیں موجود ہیں،

مؤلفۃ القلوب کا مسئلہ

قرآن میں زکوٰۃ کے مستحق آٹھ قسم کے لوگ قرار دیئے گئے ہیں، انہی میں ایک مؤلفۃ القلوب بھی ہیں، یہ مسلمان بھی ہو سکتے ہیں، اور غیر مسلم بھی، مسلمانوں میں وہ سب اس میں شامل ہو سکتے ہیں جنھوں نے جلد ہی اسلام قبول کیا ہو مگر ان کا دل ابھی تک اس پر اچھی طرح جما نہ ہو، یا تنگ حالی کی وجہ سے ان کا ایمان متزلزل ہو رہا ہو، یا اُن کے ذریعہ اسلام کا کوئی بڑا کام انجام پا سکتا ہو ایسے تمام لوگوں کی تالیفِ قلب اور تسلی کے لئے مدِ زکوٰۃ سے ..... مدد کی جا سکتی ہے، اسی طرح غیر مسلموں میں بھی جو لوگ اسلام کی طرف مائل ہوں، اور اُن کی مالی امداد اُن کے مزید میلان کا سبب ہو سکتی ہو تو اُن کی امداد زکوٰۃ کی رقم سے کی جا سکتی ہے، اسی طرح ان کے شر سے مسلمانوں کو بچانا ہو تو اس وقت بھی اُن کو مالی مدد دے کر مسلمانوں کے جان و مال کی حفاظت کی جا سکتی ہے، چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ حنین کے دن ایسے ہی تقریباً ۲۲-۳۰ ممتاز مسلمانوں اور غیر مسلموں کی مالِ غنیمت سے مدد کی تھی تاکہ اسلام کے خلاف اُن کی زبان اور تگ و دو بند ہو جائے، مگر حضرت صدیقؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں حضرت عمرؓ کے مشورہ سے مؤلفۃ القلوب کی مدد بند کر دی، جس پر عام صحابہؓ نے بھی کوئی اختلاف نہیں کیا،

حضرت صدیقؓ کے اس طرزِ عمل سے یہ نتیجہ نکالا جاتا ہے کہ جس طرح انھوں نے قرآن اور سنت کے ایک متفقہ اور ثابت شدہ حکم میں تبدیلی کی، اسی طرح مسلمانوں کی ہر حکومت کو اس بات کا حق ہے کہ وہ اگر ضرورت سمجھے تو کسی بھی اسلامی حکم کو منسوخ یا اس میں ترمیم و تبدیلی کر سکتی ہے،

اس سلسلہ میں تھوڑا سا خلطِ مبحث ہو گیا ہے جس کی بنا پر یہ مسئلہ الجھ بھی گیا ہے، اور

قابلِ اعتراض بھی بن گیا ہے، وہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ حنین کے بعد مؤلفۃ القلوب کی جو عارضی مدد کی تھی، اس کو قرآن کے مستقل مصرف زکوٰۃ کے ساتھ ملا دیا گیا ہے، حالانکہ ان دونوں کا ایک دوسرے سے کوئی تعلق نہیں ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مؤلفۃ القلوب کی جو کچھ مدد فرمائی تھی، وہ مدِ زکوٰۃ سے نہیں بلکہ خمس سے[له] یعنی مالِ غنیمت کے اس حصہ سے جس میں خدا[ہے] نے آپ کو اسلامی حکومت کے سربراہ کی حیثیت سے یہ اختیار دیا تھا کہ آپ اپنی صوابدید سے جس کارِ خیر میں چاہیں صرف کریں، چنانچہ آپنے ضرورت سمجھی اسی لئے اس مد سے اُن کی مدد کی، اور آپ کی وفات کے بعد یہ اختیار اور حق آپ کے جانشین اور اسلامی حکومت کے سربراہ کی حیثیت سے حضرت صدیقؓ و فاروقؓ کو منتقل ہوا، اور انھوں نے اس کی ضرورت نہیں سمجھی، اس لئے وہ مدد بند کر دی، بہرحال حضرت صدیقؓ نے جن مؤلفۃ القلوب کی مدد بند کی تھی، وہ انہی کی جن کی آپ نے غزوۂ حنین میں خمس سے مدد کی تھی، قرآن کے بیان کردہ مصرف سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے، اور نہ کہیں سے ثابت ہے کہ آپنے اس مصرف کو قیامت تک کے لئے ختم کر دیا ہو،

پھر اسی سلسلہ میں یہ بات بھی ذہن نشین رہنا چاہئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ حنین میں جس میں ۳۰-۳۲ آدمیوں کو مدد دی تھی، اُن میں سے کسی کو نہ تو دوبارہ آپنے مدد دی، اور نہ اُن کی مدد جاری رکھنے کی تاکید فرمائی، اور نہ خود اُن لوگوں نے دوبارہ مدد طلب کرنے کی کوشش کی، ان میں دو مسلمان اقرع بن حابس و عیینہ بن حصین ایسے تھے جنھوں نے اس کو اپنا صین حیاتی حق سمجھ لیا تھا، اور بار بار اس حیثیت سے مدد

له اس بارے میں فقہاء کے درمیان تھوڑا سا اختلاف ہے کہ یہ مدد خمس سے دی گئی تھی یا مجموعہ غنائم سے، مگر اس میں سب کا اتفاق ہے کہ یہ مدد زکوٰۃ کی رقم سے نہیں دی گئی تھی، سورۂ انفال کی ابتدائی آیتوں پھر اس سورہ کے چھٹے رکوع اور سورۂ حشر میں اُس کی تفصیل موجود ہے، انشاء اللہ تعالیٰ آگے ان کا مفصل ذکر بھی آئے گا،

لینے کی کوشش کی، حالانکہ یہ ایک وقتی مصلحت[له] اور ہنگامی ضرورت کے تحت مدد دی گئی تھی، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اُن کو محض منقولہ اموال سونا چاندی اور جانوروں کی شکل میں مدد دی تھی، اور اب انھوں نے غیر منقولہ جائدادوں کا مطالبہ بھی شروع کر دیا تھا،

غرض یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جو حالات تھے اُن کے پیشِ نظر آپنے خمس سے ان کو مدد دینا ہی مناسب سمجھا، اور حضرت صدیقؓ کے سامنے جو صورتِ حال تھی، اُس کے پیشِ نظر مدد بند کر دینا ہی انھوں نے مناسب سمجھا، اس سلسلہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ عمل فرمایا بحیثیت نبی آپ کو خدا کی طرف سے اس کی اجازت تھی، اور حضرت صدیقؓ نے جو روش اختیار کی بحیثیت جانشین نبی اُن کو بھی خدا کی طرف سے اس کی اجازت تھی، بہرحال ان میں سے کسی طرزِ عمل کا تعلق قرآن کے بیان کردہ مصرف سے نہیں ہے، اور وہ قیامت تک اسی طرح باقی رہے گا،

اوپر ذکر آچکا ہے کہ قرآن کے مقرر کردہ مصرف مؤلفۃ القلوب اور خمس سے جن لوگوں کو تالیفِ قلب کے طور پر عارضی مدد دی گئی تھی، ان دونوں کے آپس میں خلط ملط ہو جانے کی وجہ سے یہ مسئلہ الجھ گیا ہے، اور اسی کی وجہ سے یہ غلط فہمی پیدا ہوئی ہے کہ حضرت صدیقؓ و فاروقؓ نے قرآن کے ایک صریح حکم میں تبدیلی کی،

اب سوال یہ ہے کہ یہ خلط مبحث کیسے ہوا، اور یہ غلط فہمی کہاں سے پیدا ہوئی، اس کا بظاہر ایک ہی سبب معلوم ہوتا ہے، وہ یہ ہے کہ مصارف زکوٰۃ والی آیت میں جہاں مؤلفۃ القلوب کا ذکر ہے اُس کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے مثال کے طور پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس طرزِ عمل کو پیش

له اس وقتی مصلحت کی طرف خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اس تقریر میں اشارہ فرمایا ہے جو آپ نے انصار کے سامنے فرمائی تھی، اور حضرت فاروقؓ کی اس گفتگو سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے جو انھوں نے ان دونوں صاحبوں کے سامنے فرمائی تھی،

فرما دیا ہے، جو آپ نے غزوۂ حنین میں اختیار فرمایا تھا، اسی تفسیر کی بنا پر عام طور پر لوگوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے طرزِ عمل کو اس آیت کی تفسیر سمجھ لیا، اور حضرت صدیق رضؓ نے چونکہ اس کے خلاف طرزِ عمل اختیار فرمایا اس لئے اس کو کتاب وسنت کے خلاف سمجھ لیا، حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے طرزِ عمل اور حضرت صدیقؓ کی روش دونوں کا تعلق خمس سے تھا، زکوٰۃ سے اُن کا تعلق سرے سے تھا ہی نہیں، چنانچہ امام رازی کی نکتہ رس نگاہ اس غلط مبحث اور تسامح کی طرف گئی، اور انھوں نے واضح الفاظ میں لکھا کہ

هذه العطایا انما کانت یوم	یہ عطیے جو حنین کے دن آپ نے دیئے
حنین ولا تعلق لها بالصدقات	تھے، اُن کا تعلق زکوٰۃ سے قطعی نہیں
ولا ادری لاى سبب ذکر ابن عباس	ہے، نہیں معلوم کہ کس وجہ سے حضرت
رضی اللہ عنهما هذه القصة فی	ابن عباس رضؓ نے اس قصہ کو اس آیت کی
تفسیر هذه الآیة	تفسیر میں ذکر کیا،

غالباً حضرت ابن عباسؓ نے موقع ومحل کی تفہیم کے لئے غزوۂ حنین کی مثال دے دی تھی تاکہ آسانی سے ذہن میں یہ بات آ جائے کہ کون سا موقع ومحل ایسا ہے، جس میں مدِ زکوٰۃ سے مؤلفۃ القلوب کو مدد دی جا سکتی ہے، مگر عام طور پر ان دونوں کو ایک ہی سلسلہ کی چیز سمجھ لیا گیا، جس سے یہ الجھاؤ اور غلط فہمی پیدا ہوئی، اس لئے ضرورت ہے کہ ان دونوں کو علٰحدہ علٰحدہ کر کے پھر اس مسئلہ پر غور کیا جائے، ہم کو نزدیک ایسا کرنا اس لئے بھی ضروری ہے کہ غزوۂ حنین کا واقعہ شوال ۸ھ میں پیش آیا، اور مصارفِ زکوٰۃ والی آیت کا نزول اس کے ڈیڑھ سال بعد یعنی ۹ھ میں ہوا، اس سے یہ ظاہر ہے کہ آپ کا طرزِ عمل اس آیت کی تفسیر اسی وقت بن سکتا تھا، جب آپ آیت کے نزول کے بعد اسے اختیار فرماتے، یہ کیسے ممکن ہو کہ تفسیر پہلے ہو جائے، اور آیت کا نزول بعد میں ہو،

البتہ ایک سوال یہ پیدا ہو سکتا ہے کہ حضرت صدیقؓ وفاروقؓ نے قرآن کے حکم میں نہ سہی سنتِ نبوی میں تو تبدیلی کی، مگر یہ سوال اس وقت پیدا ہو سکتا ہے جب آپ غزوۂ حنین کے بعد بھی اُن لوگوں کو بطور تالیف قلب برابر مدد دیتے رہتے، یا یہ ارشاد فرمایا ہوتا کہ ان کی امداد برابر جاری رکھی جائے مگر کسی ضعیف سے ضعیف روایت سے بھی یہ پتہ نہیں چلتا کہ آپ نے عملاً یا قولاً اس کے جاری رکھنے کی تاکید فرمائی ہو، بلکہ اس کے برخلاف آپ نے غزوۂ حنین کے بعد انصار کے سامنے جو تقریر فرمائی تھی، اس میں واضح طور پر فرما دیا تھا کہ ایک دینی مصلحت کی بنا پر وقتی اور عارضی طور پر اُن کی یہ مدد دی گئی ہے نہ کہ مستقل،

اگر حضرت صدیقؓ اور حضرت فاروقؓ نے قرآن کے دیئے ہوئے اختیار اور اس عارضی ووقتی مصلحت کے ختم ہو جانے پر اس امداد کو بند کر دیا، تو اس میں کتاب وسنت کی مخالفت کہاں سے نکلی؟ بلکہ یہ طرزِ عمل تو حکمِ الٰہی اور منشائے نبوی کے بالکل مطابق معلوم ہوتا ہے،

حضرت صدیقؓ اور حضرت فاروقؓ کے اس طرزِ عمل کو سمجھنے کے لئے ایک نظر اس گفتگو پر بھی ڈال لینی چاہئے، جو حضرت عمرؓ اور ان دونوں آدمیوں کے درمیان ہوئی تھی، جو مدد طلب کرنے آئے تھے،

"ایک دن حضرت صدیقؓ کے پاس اقرع بن حابس اور عیینہ بن حصین آئے، اور یہ درخواست کی کہ ان کو فلاں قطعۂ زمین عنایت کر دیا جائے، آپ نے اُن کو وہ قطعۂ زمین دینا منظور کر لیا، اور اس کے لئے ایک سرکاری دستاویز بھی لکھ دی، یہ دونوں آدمی غالباً تصدیق کے لئے یہ دستاویز لے کر حضرت عمرؓ کی خدمت میں آئے، حضرت عمرؓ نے وہ دستاویز پڑھی، اور پڑھ کر اس کو چاک کر دیا، اس پر یہ لوگ بہت برافروختہ ہوئے، اُنھوں نے حضرت عمرؓ کو برا بھلا کہنا شروع کیا مگر حضرت عمرؓ نے نہایت ہی سنجیدگی سے اُن سے فرمایا

کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ حنین میں تالیف قلب کے طور پر تم لوگون کی مدد اسلئے کی تھی کہ اس وقت اسلام کمزور اور ہر طرف سے دشمنوں کے نرغے میں[۱] تھا، مگر اب خدا تعالیٰ نے اپنے فضل سے اسلام کو اس سے مستغنی کر دیا ہے (تو اب اس مدد کی بھی ضرورت نہیں ہے) تم لوگ جاؤ اور اپنی کوشش سے اپنی روزی کماؤ، خدا تعالیٰ تمھاری رعایت اس وقت تک نہیں کرے گا، جب تک تم رعایتیں طلب کرتے رہوگے"[۲]

اس گفتگو کے بعد یہ دونون حضرت صدیقؓ کی خدمت میں آئے، اور پورا واقعہ سنایا واقعہ سننے کے بعد آپ نے حضرت عمرؓ کے فیصلہ پر یہی نہیں کہ کوئی نکیر نہیں فرمائی، بلکہ جب ان لوگون نے بطور طنز کہا کہ آپ خلیفہ ہیں یا عمرؓ؟ تو آپ نے فرمایا کہ انشاء اللہ آیندہ وہی خلیفہ ہون گے جس سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اُن کی تائید فرمائی،

حضرت فاروقؓ کی اس گفتگو سے چند باتین معلوم ہوتی ہیں، ایک یہ کہ آپ نے یہ بات واضح کر دی کہ تالیف قلب کے طور پر جو مدد دی گئی تھی، یا آیندہ دی جائے گی، وہ عارضی و وقتی ہو گی، جب ضرورت سمجھی جائے گی، دی جائے گی، اور جب ضرورت نہ سمجھی جائے گی تو روک دی جائے گی، دوسرے آپ نے یہ تنبیہ کی کہ جن لوگون کو اس مد سے مدد دی جائے، ان کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ اس کو اپنا مستقل حق سمجھکر اسی کے اوپر تکیہ کر لیں، اگر وہ ایسا کریں گے تو خدائے تعالیٰ ان کو کبھی فارغ البال نہیں کرے گا، آپ نے اپنے آخری الفاظ سے ان لوگون کی اس ذہنیت کی اصلاح جو ان میں مفت خوری کی وجہ سے پیدا ہو گئی تھی، جس سے یہ خطرہ تھا کہ اسلامی مملکت کے اندر مستقل طور پر مسلمانون، اور غیر مسلمون میں بھی ایسا طبقہ نہ پیدا ہو جائے، جو ڈرا دھمکا کر اسلامی حکومت سے مدد لیتا رہے،

---

[۱] جن میں تم لوگ بھی تھے، اور اس وقت اس کو تمھاری اس حمایت کی ضرورت تھی، اور اسی حمایت کے لئے تم کو مدد دی گئی تھی [۲] روح المعانی تفسیر آیت ہذا۔

اور کسب و محنت سے بالکل بے نیاز ہو جائے یا ایمان و اسلام سے اپنا رشتہ صرف اس لئے جوڑے رکھے کہ اس سے اسکی مادی منفعت وابستہ ہو،

ان تفصیلات سے چند باتیں واضح طور پر معلوم ہوتی ہیں،

۱۔ مولفۃ القلوب کی امداد بند کرنے کا تعلق قرآن کے بیان کردہ مصرف سے نہیں، بلکہ خمس سے تھا جس میں اسلامی حکومت کے سربراہ کو کتاب و سنت کی رو سے یہ اختیار ہے کہ وہ اپنی صوابدید سے جس جائز مصرف میں چاہے صرف کرے،

۲۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدد دینے کے بعد ہی عام مسلمانون کے سامنے یہ واضح فرما دیا تھا کہ یہ مدد ایک وقتی دینی مصلحت کے تحت دی گئی تھی، جس کے معنی یہ ہوئے کہ جب یہ مصلحت باقی نہ رہے گی، اس وقت یہ مد ختم کی جا سکتی ہے، چنانچہ حضرت صدیقؓ و حضرت فاروقؓ نے اپنے زمانہ میں اس کی ضرورت نہین سمجھی اس لئے اسے بند کر دیا، اگر یہ مستقل مدد ہوتی، تو آپ بار بار ان لوگون کو عنایت فرماتے، اور آیندہ کے لئے بھی اس کی تاکید فرما جاتے،

۳۔ اسلامی حکومت مین کسی شخص کو جب تک وہ معذور نہ ہو، اس بات کی اجازت نہ دیگی کہ وہ مستقل طور پر حکومت کی امداد پر تکیہ کر لے، اور کسب کی جد وجہد چھوڑ دے، اس سے ایک بہت بڑے فتنے کا دروازہ کھل سکتا ہے، چنانچہ جن دو آدمیوں کی مدد حضرت صدیقؓ نے بند کی تھی، ان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منقولہ اموال سے مدد دی تھی، اس عارضی رعایت سے فائدہ اٹھا کر یہ لوگ غیر منقولہ جائدادین طلب کرنے لگے تھے،

۴۔ اشارۃً و کنایۃً بھی یہ ثابت نہیں ہے کہ حضرت صدیقؓ یا حضرت فاروقؓ نے مستقلاً تالیف قلب کے مصرف یا خمس سے مولفۃ القلوب کی مدد بند کر دی ہو، بخلاف اس کے بعض روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ زبرقان شاعر اور عدی بن حاتم وغیرہ کو خود حضرت صدیقؓ نے اس مد سے

مدد دی تھی،

کیا اس تفصیل کے بعد یہ کہنے کی گنجائش باقی رہتی ہے کہ حضرت صدیق رضؓ و حضرت فاروق رضؓ نے کتاب یا سُنّت کے کسی ثابت شدہ حکم میں تبدیلی کی؟

یہاں پر ایک بات قرآن کے بیان کردہ مصارف کے سلسلہ میں یہ بھی پیش نظر رکھنی چاہیئے کہ قرآن نے جن آٹھ مصارف میں صرف کرنے کا حکم دیا ہے، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہر وقت اور ہر موقع پر لازماً ان تمام مصارف میں زکوٰۃ کا روپیہ صرف ہی کیا جائے، بلکہ یہ ضرورت کے ماتحت صرف کیا جائے گا، ہو سکتا ہے کہ کسی وقت ایک ہی مصرف میں زکوٰۃ کا کل روپیہ صرف کرنے کی ضرورت پیش آجائے، اور دوسرے مصرف میں صرف کرنے کی ضرورت ہی نہ ہو، بہر حال یہ امام اور مجلس شوریٰ کی صواب دید پر ہے، چنانچہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ جو مؤلفۃ القلوب کے مصرف کو ہمیشہ باقی رکھنے کے قائل ہیں، وہ اپنے زمانہ کا حال لکھتے ہیں،

العامل والمؤلفۃ قلوبھم	عاملین زکوٰۃ اور مولفۃ القلوب اس
مفقودان فی ھذا الزمان بقیت	زمانہ میں مفقود ہیں، صرف چھ قسم
الاصناف الستۃ فالاولیٰ	کے مستحقین باقی ہیں، اس لئے بہتر یہ
صرفھا الی الستۃ واما انہ	ہے کہ انہی چھ قسموں میں زکوٰۃ کا روپیہ
یعتبر فی کل صنف منھا مُوئل	صرف کیا جائے اور یہی حال ان میں ہر
علیہ لفظۃ ان کان موجوداً[1]	مصرف کا ہے، یعنی جس مصرف کی ضرورت
	نہ ہوگی، اس میں صرف کیا جائے گا
	گویا ہر مصرف کے ساتھ یہ قید لگی ہوئی ہے

[1] البحر المحیط، جلد ۵، ص ۵۰۰،

قاضی ابوبکر بن عربی احکام القرآن میں لکھتے ہیں،

ان قوی الاسلام زالوا وان	اسلام جب قوی ہو تو مولفۃ القلوب کو
احتیج الیھم اعطوا،	مدد نہ دی جائے گی، اور جب ضرورت
(ج ۱ ص ۳۹۵)	ہوگی، تو ان کو مدد دی جائے گی،

یعنی اگر حضرت صدیق رضؓ یا حضرت عمر رضؓ اپنے زمانہ میں قرآن کے بیان کردہ کسی مصرف میں روپیہ صرف کرنے کی ضرورت نہ سمجھتے یا اس میں صرف کرنے کی ضرورت نہ ہوتی، تو ان کو اس بات کا بھی اختیار تھا کہ وہ اس میں صرف نہ کرتے، اس سے یہ نتیجہ قطعی نہیں نکالا جا سکتا کہ انھوں نے اس حکم ہی کو منسوخ کر دیا،

(باقی)

اہلِ کتاب صحابہ و تابعین رضؓ

تفسیر کی کتابوں میں عموماً دو چار یہودی و نصرانی صحابہ کا نام آتا ہے، اس سے آج تک یہ سمجھا جاتا ہے کہ اہلِ کتاب کی کوئی بڑی تعداد حلقہ بگوشِ اسلام نہیں ہوئی، اس کتاب میں اس قسم کے اوہام کا ازالہ کیا گیا ہے، اور دکھایا گیا ہے کہ اہل کتاب کے دو چار ہی افراد نہیں، بلکہ ایک بڑی تعداد نے اسلام قبول کیا، شروع میں ایک مقدمہ ہے جس میں جزیرۂ عرب کے یہود و نصاریٰ کی تاریخ اور ان کے تمدنی و اخلاقی حالات کی تفصیل کی گئی ہے، یہ بھی درحقیقت سلسلۂ سیر الصحابہ کی ایک کڑی ہے، اور اپنے موضوع پر بالکل منفرد ہے،

مؤلفہ مولوی حافظ مجیب اللہ صاحب ندوی رفیق دار المصنفین

"منیجر"

فارسی کے چار نایاب تذکرے

یعنی

نظم گزیدۂ ناظم، سفینۂ بیخبر، شام غریبان مولفۂ شفیق اور مردم دیدۂ حاکم لاہوری

از

ڈاکٹر نذیر احمد اسسٹنٹ ڈائرکٹر علی گڑھ ہسٹری آف اردو لٹریچر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

اورنٹیل کالج میگزین کے فروری ۱۹۲۷ء کے شمارے میں ڈاکٹر عبدالستار صدیقی صاحب نے فارسی ادب کی تاریخ کے سلسلے سے تذکروں کی ایک طویل فہرست سے روشناس کرایا تھا، جس پر پروفیسر محمد شفیع نے ایک بڑی تعداد کا اضافہ کیا تھا، آخر میں پروفیسر مذکور نے گیارہ[1] ایسے تذکروں کا ذکر کیا تھا، جن کا نام تو ملتا ہے، مگر جس کے کسی نسخے کا علم نہ تھا، ان گیارہ مجہول تذکروں میں سے ایک یعنی تذکرۂ بے نظیر مولفہ عبدالوہاب بعد میں الہ آباد یونیورسٹی سے شائع ہو گیا، انہی میں سے چار تذکروں کو اس مضمون میں روشناس کرایا جا رہا ہے،

(۱) **نظم گزیدہ مؤلفہ ناظم تبریزی**[2] مؤلف کا نام خواجہ محمد صادق اور وطن تبریز تھا، بظاہر وطن سے نکل کر استرآباد آیا، اور وہاں کچھ دنوں سکونت اختیار کی، پھر عباس آباد اصفہان میں

---

[1] ملاحظہ ہو ص ۲۵۰، نمبر ۵۔ [2] شام غریبان (ورق ۱۹ ـ ب) میں اس کا ذکر تبارزہ عباس آباد اصفہان بتایا گیا ہے،

مستقلاً سکونت پذیر ہو گیا، ۱۰۲۸ھ میں جب کلیم کاشانی ہندوستان سے ایران واپس گیا تو دونوں دو سال اصفہان میں ساتھ رہے، چنانچہ خود ناظم لکھتا ہے[1]،

"(کلیم) در سنہ ہزار و بیست و ہشت بعراق معاودت نمودہ و در اصفہان فقیر بملازمت ایشان[2] رسیدہ و مدت دو سال برفاقت و مصاحبت این حقیر قناعت می نمود تا آنکہ در سنہ ہزار و سی آن متوجہ ہند و بندہ متوجہ مکہ معظمہ شد"

اس سے ظاہر ہے کہ ۱۰۳۰ھ میں کلیم ہندوستان چلا آیا، اور ناظم حج کے ارادہ سے عازم خانہ کعبہ ہوا، لیکن ناظم ہی کے تذکرے میں ایک دوسری جگہ کلیم وغیرہ کے ایران واپس ہونے کی تاریخ ۱۰۲۶ھ لفظوں میں ملتی ہے، اور یہ بتایا گیا ہے کہ کلیم کے ساتھ اختری یزدی اور رونقی ہمدانی بھی ساتھ تھے،

"رونقی از اقران اختری و ابوطالب کلیم است و مدتے مدید باہم بودند و در سنہ ہزار و بیست و شش از ہند بعراق آمدند و ایشان را ملاقات کردم"

رونقی نے عرفی شیرازی کی ہڈیوں کی منتقلی کی تاریخ لکھی، جس سے ۱۰۲۷ھ یا ۱۰۲۸ھ نکلتا ہے، کلیم کی زندگی کے مطالعے سے ظاہر ہوتا ہے کہ ۱۰۲۸ھ سے قبل اس کی واپسی ایران ممکن نہیں، اس لئے ناظم کے دوسرے بیان میں کتابت کی غلطی کا قیاس ہوتا ہے،

بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ناظم فراغتِ حج کے کچھ دنوں بعد ہندوستان چلا آیا، اس لئے کہ ریاض الشعراء میں تصریح ہے کہ تقی اوحدی ۱۰۳۱ھ میں ناظم سے گجرات میں ملا تھا، یہ بات قطعی معلوم نہیں کہ تقی نے اپنی کس کتاب میں اس ملاقات کا ذکر کیا ہے، عرفات ۱۰۲۶ھ تک کے واقعات پر مشتمل ہے، البتہ کعبۂ عرفان جو عرفات کا خلاصہ ہے، ۱۰۳۶ھ میں گجرات میں مکمل ہوا، ممکن ہے اس میں

---

[1] ورق ۸، ۵۰ ب نسخہ خطی کتابخانۂ لٹن مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، مگر ساری کتاب کے اوراق بے ترتیب ہیں،

[2] یعنی کلیم، رونقی، اور اختری،

نظر ثانی کے وقت یہ واقعہ درج کردیا ہو اور یہ تو مسلم ہی ہے کہ ۱۰۳۱ھ کے بعد تقی کا قیام زیادہ تر گجرات ہی میں رہتا تھا، اس لئے یہ ملاقات مشتبہ نہیں، یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ چونکہ تقی کی ابتدائی زندگی زیادہ تر اصفہان ہی میں گذری، اور ۱۰۱۲ھ کے اختتام پر ہندوستان روانہ ہونے کے ۵ سال قبل تک برابر اصفہان ہی میں رہا، اس لئے یہ قرین قیاس ہو سکتا ہے کہ دونوں کی ملاقات اصفہان میں ہوئی ہوگی،

ناظم کے زیادہ حالات ہمیں معلوم نہیں اور نہ فی الحال اُن کی ضرورت ہے، سر دست اس کے تذکرہ کے متعلق کچھ عرض کرنا ہے،

ناظم نے اپنے حالات کے ضمن میں لکھا ہے،

"ناظم تخلص محمد صادق تبریزی است کہ شیرازہ بند گلدستہ، این مجموعہ و مؤلف دفتر این اوراق طرفہ است، وحسب الامر بادشاہ جم جاہ جنت آرامگاہ، شاہ عباس ماضی حسینی موسوی متوجہ این امر خطیر گردیدہ و خلاصۂ عمر گرامی کہ اعزاز جمیع اشتات صرف این سفینہ محیط آفرینش نمودہ"

اس سے صاف طور پر پتہ چلتا ہے کہ ناظم نے اس تذکرہ پر بڑا وقت اور بڑی توجہ صرف کی تھی، اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شاہ عباس کے دربار میں اس کی رسائی تھی، اور اسی کے حکم سے اُس نے اس تذکرہ کی داغ بیل ڈالی تھی، مگر اس کی زندگی میں تمام نہ ہو سکا، مرنے کے بعد مکمل ہوا، شاہ عباس کی وفات ۱۰۳۸ھ میں ہوئی، اس لئے اس تذکرہ کا سنہ اختتام کچھ اور بعد کا ہوگا، مگر ایک دشواری یہ ہے کہ تذکرہ ناظم کے جس نسخہ کی بابت ہم عرض کرنے والے ہیں، اس کے کاتب نے ترقیمہ میں سنہ اتمام کے متعلق یہ اطلاع دی ہے کہ اس تذکرہ کا نام نظم گزیدہ ہے، اور اسی سے تاریخ بھی نکلتی ہے"، جو ۱۰۳۶ھ ہوگی، مگر یہ کسی طرح درست نہیں، کیونکہ اس کی صحت میں خود مؤلف تذکرہ مذکور کے قول کی تردید ہوتی ہے،

اگر نظم گزیدہ کی تاریخ اتمام کے متعلق ناظم کے قول سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ ۱۰۳۳ھ کے بعد کا ہے، اور بظاہر اس کے غلط سمجھنے کی کوئی وجہ بھی نہیں، تو اس تذکرے کے ہندوستان میں لکھے جانے کے قرائن ہاتھ آجاتے ہیں، کیونکہ ۱۰۳۷ھ میں ناظم کے قیام گجرات کے متعلق ہم پہلے کہہ چکے ہیں،

ناظم کا یہ تذکرہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی لٹن لائبریری میں محفوظ ہے، مگر یہ مخطوطہ پورے تذکرہ کا جزو دوم ہے، دراصل اس تذکرہ میں مصنف نے ابتدائے شاعری سے اپنے زمانہ تک تمام شاعروں کے حالات درج کئے تھے، اس کے دو جزو تھے، جزو اول شعرائے متقدمین پر مشتمل تھا، اور جزو دوم شعرائے متاخرین و معاصرین پر، کتاب کے شروع کی یہ عبارت اس حقیقت کی نقاب کشائی کرتی ہے:

"فصل دویم من تذکرہ مسمّی نظم گزیدہ تالیف ناظم تبریزی در ترقیم انتخاب غزلیات متاخرین وایشان جماعتی اند کہ با ملا جامی معاصر بودہ اند و بعد از و ظہور نمودہ اند"

"ترقیمہ" میں جو عبارت ہے اور جس کو بعد میں نقل کیا جائے گا، اس سے بھی اسی کی لفظاً بلفظ تصدیق ہوتی ہے،

اس تذکرہ میں حسب ذیل ۲۲۸ شاعروں کے حالات حروف تہجی کے اعتبار سے درج ہیں،

حروف الالف: (۲، اشاعر) آہی شیرازی، خواجہ آصفی، آہی ترشیزی، آقدسی مشہدی، امتی[1] مروی، آتیسی، انسی شاملو، اختر مجندی، ابو الحسن حسینی، آمنی، تربتی، ایضاً، الہی، امیر الہی اسد آبادی، امیدی، اشراق، آماعی، شیرازی[2]، ادائی یزدی،

---

[1] امتی بھی پڑھ سکتے ہیں [2] فہرست اور متن دونوں جگہ بیاض ہے،

حرف الباء: (۷ شاعر) مولانا بنائی، پرتوی ترشی، پیامی، بقائی، باقی نہاوندی، باقر خردہ[1]، بیانی،

حرف التاء: (۵) تقی اوحدی، تشبیہی کاشی، تجلی لاہجی، تسلی شیرازی،

حرف الثاء (۲) ثنائی، ثباتی،

حرف الجیم: (۶) جامی، جعفر، جسمی ہمدانی، جنوبی قندھاری، جعفر قزوینی، جعفر حسینی،

حرف الحا: (۱۴) حزنی اصفہانی، حاتم کاشی، حیرتی کاشانی، میر حیدر معمائی، حسابی نطنزی حیرانی ہمدانی، حضوری قمی، حیدر کلوخ، حالتی، حسینی صرات، حیاتی گیلانی، حذری[2] قزوینی، حذری خوانساری، خذری لاری،

حرف الخاء: (۳) خیالی، خاطری، خصالی،

حرف الدال: (۴) دیری، درکی قمی، درویش دہکی، داعی اصفہانی

حرف الذال: (۳) ذہنی، ذوقی اردستانی، ذہنی کاشی،

حرف الراء (۷) رضائی، رحیم خان خانان، ... میر رضی، میر رضی ارتیمانی، رنگی ہمدانی، ملا رد نقی، رضا پاشا تبریزی،

حرف الزاء: (۴) ملا زمانی، زکی ہمدانی، زاری، زمانی سیستانی،

حرف السین (۸) سیری جرباذقانی، سخی کرمانی، سپہری زوازی، سوزی ساوجی، سرودی کاشی، سروری کابلی، میر سنجر کاشی، سلیم طہرانی،

حرف الشین: (۱۷) شاہی سبزواری، شریف تبریزی، شہیدی قمی، شہودی،

---

[1] خوردہ، [2] فہرست میں قرآن آخری تین شاعروں کے نام ایسے ہی ہیں، مگر متن میں تینوں کا نام خضری ہے،

. . . .

. . . . شکیبی اصفہانی، شراری، شجاع کاشی، شکوہی ہمدانی، شرف جہان، شرف زردوز تبریزی، شریف کاشی، شغائی، شعیب جوشقانی، شرمی قزوینی، شعوری مشہدی، شاپور طہرانی، شانی.

حرف الصاد: (۷) صبری، صبوری، صلائی، صرفی، صالحی، صحیفی، صادق بیگ،

حرف الضاد: (۲) مولانا ضمیری، امی تبریزی،

حرف الطاء: (۷) طالب آملی، طاہر عطار، طاہری، طاہر دکنی، طالب دکنی، طالب تبریزی، طفلی لاہجی، طبیعی سیستانی،

حرف الظاء: (۱) ظہوری ترشیزی،

حرف العین: (۸) عرفی شیرازی، عجزی، عرشی فیروزآبادی، عتابی، عتابی تکلو، عارف، عرشی، عزتی

حرف الغین: (۱۰) غیرتی ششتری، غازی قلندر غنی تفرشی، غنی ہمدانی، غضنفر کلہاری، غیوری کاشی، غزالی مشہدی، غیاث نقش بند، غیاثا حلوائے شیرازی،

حرف الفاء: (۱۷) بابا فغانی، فیضی اکبرآبادی، فہمی کاشی، فگاری، فرقتی، فکری اصفہانی، فغفور لاہجی، فسونی اول، فسونی ثانی، فردی سبزواری، فارغ، فارغی استرآبادی، فصیحی تبریزی، فصیحی ہروی، فائض نظری، فضولی بغدادی، فضلی جرباذقانی،

حرف القاف: (۱۰) قاسمی، قدسی، قیدی شیرازی، قیدی کرمانی، قاسم بیگ، قوسی ششتری، قدری شیرازی، قاسمی اردستانی، قدسی کربلائی، قراری گیلانی،

حرف الکاف: (۸) کامی سبزواری، کمالی سبزواری، کوکبی، کرمی کاشانی، کلامی اصفہانی،

کلیمؔ کاشانی، کفریؔ مشہدی، گلخنیؔ،

حرف اللام: (۲) لسانیؔ تبریزی، لطیفیؔ شیرازی،

حرف المیم: (۲۶) محتشمؔ کاشی، میلیؔ، مانیؔ خراسانی، مسیحؔ مسیحی یا مسیحا حکیم رکنائے کاشی، مومنؔ استرآبادی، ملمیؔ تبریزی، مولانا محمد مازندرانی، مرشدؔ بروجردی[۵۱]، مجتبیٰؔ شیرازی، موسیٰؔ رضا محمد فی، محویؔ اردبیلی، میر معصومؔ کاشی، ملکؔ قمی، مشرقیؔ، ملک طیفور، مجنونؔ، منظریؔ کشمیری، محمد مومن بیگ ترکمان، میر محمد کیشکی، مسعود بیگی، ملکی توئے سرکانی، مسیب خاں، میر مجیؔ، معزیؔ، مجرمؔ، محب علیؔ، میرزا مراد،

حرف النون: (۱۹) نصیبیؔ گیلانی، نوعیؔ خبوشانی، نوریؔ، میر نظام دست غیب، نظیریؔ نیشاپوری، نظیرؔ مشہدی، نقیؔ کمرہ، نصیرائے ہمدانی، نجیؔ صفاہانی، نورسؔ قزوینی، نطقیؔ نیشاپوری، نسبتیؔ مشہدی، نیازیؔ تبریزی، نثاریؔ تونی، یغما خیاط فروشی، نوعیؔ صفاہانی، نادمؔ لاہجی، نویدیؔ نیشاپوری، ناظمؔ تبریزی، گلدستہ بند ایں مجموعہ،

حرف الواؤ: (۷) وحشیؔ یزدی، وحشیؔ کاشی، ولیؔ دشت بیاضی، واثقیؔ قمی، وقوعیؔ تبریزی، وقاریؔ، وہمیؔ،

حرف الہا: (۴) امیر ہمایوںؔ، ملا ہلالیؔ، ہلاکیؔ ہمدانی، ہجریؔ رازی،

حرف الیاء: (۳) میر یحییٰؔ لاہجی، میرزا یحییٰؔ، یمینیؔ،

مسلم یونیورسٹی لائبریری کا یہ نسخہ دو جلدوں میں ہے اور نہایت ہی بے ترتیب ہے[۵۲]،

---

[۵۱] فہرست اور متن دونوں جگہ یزدجردی ہے، جو غلط ہے، بروجردی صحیح ہے، بروجرد نام کا شہر اب تک پایا جاتا ہے۔ لچھمی نراین شفیق اورنگ آبادی نے "شام غریباں" نسخہ انجمن ترقی اردو لائبریری علی گڑھ ورق ۱۶۔ ب میں اس کا ذکر کیا ہے [۵۲] اس نسخے کے شروع میں ۳ صفحوں میں فہرست شعرا ہے، اور ہر صفحہ

ترتیب تو اب درست ہوگئی ہے، لیکن حرف م اور ن کے شعرا کے حالات کچھ اس طرح گڈ مڈ ہو گئے ہیں کہ باوجود کوشش کے ابھی اُن کی ترتیب ٹھیک نہیں ہو سکی ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کاتب نے جس نسخہ سے اس کو نقل کیا ہے، وہ بے ترتیب تھا، جس کی صحت کاتب سے نہ ہو سکی، چنانچہ پرانے نسخے کے بے ترتیب اوراق یہاں دوسری شکل میں پائے جاتے ہیں، دراصل یہ دونوں جلدیں ایک ہی حصہ (حصۂ دوم) کے اجزا ہیں ... اور ہندسوں کے نشان بھی غلط ہیں،

نسخہ کے متعلق مزید معلومات اس ترقیمے سے ہو جاتی ہے،

"الحمد للہ والمنۃ کہ از تذکرۂ ناظم تبریزی مسمی بہ نظم گزیدہ کہ ہمیں اسم تاریخی ذات) فصل دویم کہ عبارت از دفتر دویم است، و دریں فصل شعرائے متاخرین و معاصرین خود بترتیب حروف تہجی گرفتہ است، بتاریخ پانزدہم شہر رمضان المبارک سنہ ۱۱۹۳ھ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم برائے پاس خاطر برادر بجان برابر عالی قدر رسید نوازش علی بلگرامی بخط بندہ نظام الدین احمد عفی اللہ تعالیٰ عنہ صورت اختتام یافت"

خطِ نستعلیق معمولی، کل اوراق ۲۹۰، فی صفحہ ۱۹ سطریں سائز ۹۶۵×۵۶۷ لکھی ہوئی سطح = ۲۶۷×۴۶۳

اس تذکرہ میں باوجود اس کے کہ شعرا، و مصنفین کا بہت مختصر ذکر ہے، پھر بھی چونکہ ایسے عہد سے تعلق رکھتا ہے جو تاریخ ادب فارسی میں ایک اہم دور ہے، اس لئے اس کی کافی اہمیت ہے، اور معاصرین کے حالات کے لئے اہم ماخذ ہے، البتہ اس کا افسوس ہے کہ اس تذکرہ کا دفتر اول جو متقدم شعرا

(بقیہ حاشیہ ۳۰) میں ۲ ستون ہیں، خط قدیم ہے، اس کی فہرست سے معلوم ہوتا ہے کسی شخص نے دوسرے نسخے سے نکال کر اس میں چسپاں کر دی ہے، فہرست بڑی با ترتیب ہے، سر فہرست یہ عنوان ہے:

"اسامی شعرائے فصل دوم تذکرہ نظم گزیدہ تالیف ناظم تبریزی"

پر مشتمل تھا، گم ہو چکا ہے، مگر گم شدہ حصہ موجودہ حصہ سے کم اہم تھا،

۲- سفینۂ بیخبر: اس کا مولف میر عظمت اللہ بیخبر بلگرامی ہے جس کے حالات کے دو اہم ماخذ ہمارے پاس ہیں، ایک سرو آزاد[۵۱] دوخزانۂ عامرہ[۵۲] مؤلفہ علامہ غلام علی آزاد بلگرامی جو مؤلف کے عزیز قریب، ہم وطن، اور ہم سفر تھے، اور مؤلف کے والد سے مرید بھی تھے، دوسرا خود یہ سفینہ جس میں مصنف نے اپنا اور اپنے والد[۵۳] کا حال کسی قدر تفصیل سے لکھا ہے[۵۴]، جس کو مختصراً یوں بیان کرسکتے ہیں:

"بیخبر کا نام میر عظمت اللہ تھا، نسباً سادات واسطی میں سے تھے، وطن بلگرام تھا، میاں صاحب کے عرف سے پکارے جاتے تھے، اُن کے والد اپنے عہد کے عارف کامل تھے، ان کا نام اگرچہ سید لطف اللہ تھا، لیکن "شاہ لاہا" کے نام سے مشہور تھے، علامہ آزاد بلگرامی نے ۱۱۳۷ھ میں ان سے شرف بیعت حاصل کیا تھا، شاہ لاہا سلسلۂ چشت سے منسلک اور میر سید احمد ولد حضرت سید محمد سے وابستہ تھے، بیخبر کی طرح وہ شاعر تو نہ تھے، مگر چند شعر کہے تھے، اور اسی بنا پر سفینۂ بیخبر کی ابتدا انہی کے ذکر سے کی ہے، البتہ اُن کے پیر باقاعدہ شاعر تھے، اور آٹھ ہزار کے قریب اشعار کہے تھے، میر عظمت اللہ خود اچھے شاعر تھے، سفینہ کے علاوہ سرو آزاد اور خزانہ عامرہ میں اُن کے بہت سے اشعار منقول ہیں، تصوف اور شاعری کے علاوہ دوسرے فنون میں بھی دستگاہ رکھتے تھے، موسیقی میں بھی درک تھا، اور خط شکستہ بہت عمدہ "نادر و دلپذیر" لکھتے تھے، ۱۱۳۴ھ میں آزاد بلگرامی کے ساتھ دہلی گئے تھے، وہیں بروز دوشنبہ ۲۴ ذی قعدہ ۱۱۴۲ھ میں راہی ملک بقا ہوئے

[۵۱] ص ۳۱۵ تا ۳۲۵، اس کے بعد صفحات پر اُن کے دو صاحبزادوں یعنی میر نوازش علی فقیر متوفی ۱۱۶۷ھ اور سید کرم اللہ غریب، نیز خاندان کے کئی افراد کے تفصیلی حالات درج ہیں۔ [۵۲] ص ۔۔ [۵۳] ص ۵۰، [۵۴] ص ۴-۵، اور ان کے پیر کا حال ص ۲۷۰ پر ملاحظہ ہو،

اور حضرت سلطان المشائخ نظام الدین دہلوی کے جوار میں مدفون ہوئے، علامہ آزاد نے ایک قصیدہ اُن کی وفات پر لکھا جس کے ہر مصرع سے تاریخ نکلتی ہے مطلع یہ ہے[۵۵]:

می زند جوش تلاطم باز عمان الم (۱۱۴۲)
اشک میریزد بروی لوح مژگان قلم (۱۱۴۲)

بیخبر کا دیوان سات آٹھ ہزار اشعار پر مشتمل تھا"

سفینۂ بیخبر شعراء کا بہت مختصر تبصرہ ہے، چنانچہ سفینہ کے دیباچہ[۵۶] میں لکھا ہے،

"میر عظمت اللہ بیخبر بلگرامی نے چاہا کہ قدیم و جدید شاعروں کے کلام کا انتخاب بقید اسم و وطن ایک سفینہ میں درج کریں، بعض دوستوں نے کہا کہ جب اُن کے نام و نشان کا ذکر آیا، تو یہ تذکرہ ہو جائے گا، بہتر یہ ہے کہ یہ نسخہ الگ تالیف ہو، اُن کی بات معقول معلوم ہوئی، لیکن قدما کے اشعار بخوف طوالت اس نسخہ سے الگ رکھے گئے، تاکہ اُن کا مجموعہ (بیاض) علیحدہ رہے اور متاخرین میں عرفی و ثنائی (جو عہد جہانگیری و شاہ عباس ماضی کے ہیں) کے بعد سے آج تک (یعنی عہد محمد شاہ اور محمود شاہ افغان تک) کے شعرا شامل ہوں، اور یہ بات بھی واضح کردی جائے کہ اس مجموعہ میں بعض ایسے بھی شاعر داخل ہیں، جن کا کلام دس بیت سے زیادہ نہیں، بلکہ چند نام ایسے بھی ہیں جنھوں نے سوائے ایک بیت کے دوسری بیت نہیں کہی، لیکن اس بیت کے مطابق:

بیک بیت دعوی مسلم بود — اگر مصرعش مصرعی ہم بود

اس لیے ان کے ذکر میں مضائقہ معلوم نہیں ہوا، چونکہ یہ مجموعہ فقیر (میرا) کا سفینہ ہے اس لیے اس کا نام سفینۂ بیخبر رکھا، اور شعرا کا بیان حروف تہجی کے اعتبار سے ہوا،

[۵۵] ص ۳۲۵- پر ۱۲ شعر دیئے ہوئے ہیں، (سرو آزاد) [۵۶] خزانۂ عامرہ ص ۱۲۱ اور سفینہ ص ۵۰

سفینۂ بیخبر کا ایک نسخہ مسلم یونیورسٹی لائبریری میں موجود ہے، اس میں کاتب کا نام اور سنہ کتابت تو درج نہیں ہے، لیکن اسی نسخے کے ساتھ بیخبر ہی کی ایک سات صفحوں کی نثر بعنوان "بحر طویل" شامل ہے جس پر کاتب کا نام اور سنہ کتابت درج ہے،

"تمام شد بحر طویل مؤلفہ سید عظمت اللہ المتخلص بہ بیخبر بلگرامی قدس سرہ، بخط بندۂ حقیر سراپا تقصیر سید عبد الجلیل ولد سید ابن امام بلگرامی ثم المارہروی حال مقامی کمرات ضلع آرہ ملک بنگال واقع بتاریخ بست و ہم صفر المظفر روز شنبہ ۱۳۰۰ھ"

یہ خط سفینہ کے خط سے ملتا جلتا ہے، اس لئے دونوں کا کاتب سید عبد الجلیل کو سمجھنا چاہئے،

سفینہ کا یہ نسخہ ۱۰۰ صفحہ پر مشتمل ہے، ایک صفحہ میں ۱۳ سطریں ہیں، سائز ۸ ء ۱۰ × ۴ ء ۷، اور لکھی ہوئی جگہ ۴ ء ۹ × ۵ ہے، خط کچا ہے، اور جگہ جگہ املا کی غلطیاں ہیں، کاتب نے بحر طویل میں سکایت کی ہے کہ منقول عنہ نسخہ بہت ناقص تھا،

سفینہ کی ابتداء: سر رشتۂ سخن بہ سخن آفرینی میرسد کہ در نظم کلامش ہیچ جائے سخن نیست"

تذکرہ کے پہلے شاعر خود مؤلف کے والد میر سید لطف اللہ ہیں، جو احمدی تخلص کرتے تھے، مؤلف نے محض برکت کے لئے اُن کا ذکر شامل کیا ہے،

آخری شاعر یکتا ہے جس کی ایک غزل کے جواب میں خود بیخبر نے یہ بیت لکھی ہے،

بعد عمرے کہ بخویش آمدم از غربت شوق
آہ چیپدہ بہر اشک بپا بوسی ریخت

اختتام: عجب اتفاق افتادہ کہ دریں سفینہ اول بیتی کہ نوشتہ شد از زادہاے طبع خود و آخر ہم ہمچنیں صورت بست یعنی ہو الاول ہو الآخر"،

لہ ص ۸

(۳) **شام غریباں** دکن کے مشہور مصنف لچھمی نراین شفیق کی یادگار ہے، اس کا باپ منسا رام آصف جاہ اول کے عہد میں معزز عہدہ پر فائز تھا، شفیق ۱۱۵۸ھ میں پیدا ہوا، ابتداء میں فارسی عربی کی تعلیم پائی، کم عمری سے شعر گوئی کا شوق ہو گیا، علامہ آزاد بلگرامی کی صحبت و تعلیم نے اس پر جلا کی، اس کی کتابوں میں شام غریبان کے علاوہ گل رعنا ہندوستان کے فارسی شاعروں کا تذکرہ، چمنستان شعراء اردو شاعروں کا تذکرہ (بزبان فارسی) تصویر جانان اور معراج نامہ وغیرہ مثنویاں موجود ہیں، ۱۲۱۵ھ کے بعد وفات پائی، مولانا عبد الحق نے چمنستان شعراء کو ۱۹۲۸ء میں شائع کر دیا ہے، جو ۵۶۵ صفحات پر مشتمل ہے، اور اس کے مقدمے میں مصنف کے حالات و تصنیفات پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے، اسی میں شام غریباں کا تذکرہ کیا ہے، جس کا علم اب تک نہ تھا،

شام غریبان کا ایک ناقص الاول نسخہ انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ) کے کتب خانہ میں بھی موجود ہے، کیا عجب کہ یہ نسخہ وہی ہو جو ڈاکٹر عبد الحق صاحب کے مطالعے میں رہا ہو، بہر حال وہ ایک مجموعہ میں شفیق کے دوسرے تذکرے "گل رعنا" کے ساتھ پیوست ہے، تفصیل درج ذیل ہے:

اوراق موجود ۱۳، کل اوراق ۲۰ (آخری صفحات پر ہندسے کے نشان موجود ہیں) ابتدائی سات ورق غائب ہیں، سائز ۸ ء ۹ × ۵ ء ۷ لکھی ہوئی سطح ۶ × ۳ ء ۳، خط شکست کاتب نا معلوم،

یہ تذکرہ ان فارسی گو شاعروں کے حالات پر مشتمل ہے، جو ایران سے ہندوستان آئے، اگرچہ بہت مختصر ہے، مگر بڑے کام کا ہے، بقول ڈاکٹر عبد الحق، "نام بھی مضمون کی مناسبت سے رکھا ہے، اگرچہ حالات بہت مختصر ہیں، مگر کتاب دلچسپ ہے، اور اشعار کا انتخاب خوب ہے، لطائف و ظرائف سے خالی نہیں، بعض بعض جگہ اشعار کے متعلق خاص نکات بھی بیان کر دیئے ہیں"،

اس تذکرہ میں حسب ذیل ۱۱۵ شاعروں کے حالات بالترتیب ہیں،

مشہدی شاپور، شجاعی[2]، شعوری، شکیبی[4]، شوقی[6]، شوکتی، شہدائے قمی، شیخ حسین شہرت[9]،
عرب شیرازی، مولانا صادق صفی[11]، صادق ہرائی[13]، صدقی طہرانی، آقا صفیا اصفہانی[16]، میرزا صابر حاجی
صادق صباحت[18]، صانع، صائب، ضمیر[19]، تقی علوائی، ضیا قزوینی[20]، شاہ طاہر[21]، شاہ طیب[22]، طاہر اصفہانی[23]،
طغرا، ظہوری[25]، میر محمد طاہر ترشیزی عتابی، عرفی[27]، عبدی شیرازی[28]، عارف[29]، امی نہاوندی[30]، ملا حاجی[31]، عرب[32]
شیرازی، عشرتی[33]، امیر علاء الدولہ[34]، غازی فا، غالی[35]، مرزا محمد علی[36] عارف طہرانی[37]، عازم[38]، فہمی[39]، خواجہ محمد فانی[40]،
فغفور لاہیجانی[41]، رستم میرزا فدائی[42]، ملا فرج اللہ شوستری[43]، محمد ابراہیم فارغا[44]، میر معز فطرت موسوی، فارغا
قمی، نورالدین قراری گیلانی، قیدی ماوراء النہری[48]، قبلان بیگ[49]، قاسم خان جوینی[50]، مولانا قاسم کاہی[51]، کامل
شیرازی[52]، حسن بیگ گرامی[53]، کاظما تونی[54]، کاظم ولد[55]، میرزا امینا کاشی[56]، میرزا کاظم[56]، لطف اللہ نیشاپوری[57]،
قاسم خان موجی بدخشی، منظری سمرقندی[59]، شفیقی[60]، مشربی تکلو، مجد الدین خوافی[62]، میرزا جان نیشاپوری[63]،
ملک قمی[64]، مہدی قلی سلطان[65]، مرشد بروجردی[66]، مومن استرآبادی[67]، محمد صوفی آملی[68]، محمد خاتون آملی، معز الدین
محمد، مشہدی قمی، مولانا مونس[70]، محسنا شیرازی[71]، میر محمد طالقانی، منصف غیاثا اصفہانی، میر معصوم[76]
کاشی، مسیح حکیم رکنا، مرزا معصوم تبریزی، مشہور زمانہ تبریزی[79]، منصف شیرازی[80]، منعم شیرازی،
ملا مفید بلخی، مرزا محمد حسین پسر ملا محمد صالح مازندرانی، برادر ملا محمد سعید اشرف، مقبل اصفہانی[84]،
متین اصفہانی[85]، نادری سمرقندی[86]، نویدی تربتی، نوائی سبزواری، نورالدین نوری ترخان[89]، نوعی
جوشانی[90]، نظیری نیشاپوری[91]، نقی اصفہانی[92]، نورس قزوینی[93]، ناظم تبارزہ[94]، نظیر مشہدی[95]، نادم لاہیجانی[96]
نسبت فارسی[97]، نسبت تبریزی[98]، نصیر رازی[99]، ندیم مرزا[100]، شیخ زین الدین وفائی[101]، وداعی یزدی[102]، وحشی
کاشی[103]، وحشت طباطبائی[104]، وفا ہراتی[105]، والہ شیرازی[106]، وارستہ[107]، محمد تقی واقف[108]، واہبی طہماسپ[109]، والہ
درویش ہروی، ہمت سیستانی[111]، یتیم بروجردی[112]، میر یحییٰ[113]، میر یحییٰ کاشی[114]، یقین قمی[115]،

(۴) مردم دیدہ: اس کا مؤلف عبدالحکیم حاکم لاہوری ہے، وہ شاہ دنا خان اوزبک کا

لڑکا تھا، محمد شاہ کے عہد میں اس کو حاکم بیگ کا خطاب ملا تھا، خود مؤلف نے اپنے تذکرہ میں جو تفصیل
بیان کی ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اسے شاعروں کے دواوین کے مطالعے سے بڑی دلچسپی تھی، چنانچہ
دورانِ مطالعہ میں پچاس ہزار اشعار کا ایک انتخاب "انتخاب حاکم" کے نام سے کر ڈالا، بعد میں خیال
ہوا کہ اس میں شعراء کے حالات شامل کرکے ایک تذکرہ بنالیا جائے، مگر اس کی صورت نہ نکل سکی،
۱۱۶۷ھ میں حاکم اپنے مرشد کی ملاقات کے لئے رائے بریلی آیا، اور پھر وطن واپس چلا گیا، وہاں
چھ ماہ قیام کرنے کے بعد کشمیر گیا، وہیں حج کا خیال پیدا ہوا چنانچہ کچھ دنوں کے قیام کے بعد حج کے لئے
روانہ ہوگیا اور ۱۱۷۰ھ میں واپس آیا، "قبولِ خدا می شود حج ما" سے تاریخ نکلتی ہے، اسی دیباچہ
میں ایک خاصی طویل مثنوی ہے، جس میں سفر کے حالات کی تفصیل ہے، ۱۱۷۵ھ میں اورنگ آباد
خجستہ بنیاد آیا، اور تکیہ محمود شاہ میں جانے کا اتفاق ہوا، یہاں میر غلام علی آزاد بلگرامی سے ملاقات
ہوئی، اور خانِ آرزو کے تذکرہ مجمع النفائس کو دیکھنے کا موقع ملا۔ اس وقت پرانی آرزو تازہ ہوگئی،
لیکن خانِ آرزو جیسی قدرتِ زبان کہاں، :

"ناچار ایں قدر اختیار کردم کہ ترجمۂ جمع از شعرا کہ بصحبت آنہا رسیدہ ام از تذکرہ
خان فغفور بعبارتہ بنویسم مگر درجائے کہ بیش وکم دیدہ، شود وبہ تحقیق آنچہ معلوم ایں موہوم
باشد یا سالِ وفات ومکان بود وباش وکیفیت مزاج زیادہ کنم، وجماعہ را کہ صاحب
نسخہ بسبب عدم اطلاع وعمداً بنا بروجہے احوال آنہا ثبت نہ نمودہ یا قابل ولائق
داخل نمودن اسم شان در تذکرہ ندیدہ الحاق والصاق کنم وایں رسالہ را بموجب
فرمودۂ میر صاحب آزاد "مردم دیدہ" نام نہادم اما اسم بامسمّی باشد وبردو باب ترتیب
دادم، وایں دو قطعۂ تازہ در تاریخ وتوصیف این تالیف کہ میر آزاد سلمہ اللہ تعالیٰ از راہ
کمالِ شفقت ومہربانی فرمودہ اند، مرقوم نمودم :-

سخن پرداز خوش تحریر حاکم — مرتب ساخت تالیف گزیدہ

بذکر شاعران دیدہ پرداخت — شنیدہ کے بود مانند دیدہ

حاکم خط، معنی حاکم — کرد نو تذکرہ ای را تصنیف

سال تاریخ رقم کرد آزاد — "تازہ تالیف ہمایون لطیف"

اس تذکرہ کا ایک نسخہ انجمن ترقی اردو علی گڑھ کے کتب خانے میں موجود ہے جس کو احمق پھپھوندوی (مداح) نے کسی ایسے[1] نسخہ سے نقل کیا ہے جس کا ترقیمہ یہ ہے:

"نسخہ مردم دیدہ بہ غرۂ رمضان المبارک ۱۱۸۱ھ بروز جمعہ در خجستہ بنیاد بہ اتمام رسید"

مگر مداح کے بقول یہ نسخہ اغلاط سے پُر ہے، چنانچہ انھوں نے شروع میں غلطیوں کی نوعیت پر کئی صفحے لکھے ہیں، اس تذکرہ کا ایک اور نسخہ حبیب گنج کے کتب خانہ میں بھی موجود ہے،

انجمن ترقی اردو کے نسخے کے اجزا یہ ہیں،

"نعت و حالات مصنف ص ۱ - حالات سفرج مؤلف در نظم ص ۵،

باب اول: ان شعراء کے حالات میں جن کا ذکر مجمع النفائس میں سراج الدین علی خان آرزو نے کیا ہے، ۱۰ اشاعر ص ۲۲ تا ۱۹۳

باب دوم: ان شعراء کے حالات میں جن سے مؤلف ملا ہے، مگر جن کا ذکر مجمع النفائس میں نہیں ہے، ۳۴ شاعر ص ۱۹۴ تا ۲۶۱

خاتمہ: ۱۳ شاعر ص ۲۶۳ تا ۲۰۱

کل شاعر: ۴۷

---

[1] احمق صاحب سے استفسار کیا گیا، تو معلوم ہوا کہ یہ نسخہ انجمن ترقی اردو دہلی کے دفتر میں تھا جس کے متعلق ڈاکٹر عبدالحق صاحب فرماتے ہیں کہ یہ ہندوستان میں واحد نسخہ ہے ۵۲ وہاں کی فہرست دیکھنے سے معلوم ہوا کہ یہ نسخہ مطبوعہ ہے مگر طباعت کی تاریخ نہیں دی گئی ہے البتہ ٹائپ میں چھپنے کی اطلاع ہے،

یونانی منطق کے قدیم عربی تراجم

جناب شبیر احمد خانصاحب غوری ایم اے، ایل ایل بی، پی، ٹی، ایچ

(۴)

(۳) منطق کے دوسرے قدیم مترجمین

بیروت کے مخطوطہ کے آخر میں جو توقیع ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن المقفع کے بعد دوسری صدی میں منطق کے دو اور ترجمے ہوئے، پہلا ابو نوح کاتب نصرانی نے کیا، اور دوسرا سلما صاحب بیت الحکمۃ نے، چونکہ اس توقیع میں سوائے ابن المقفع کے، نہ ابن الندیم کے بیان کردہ مترجمین و شارحین کا ذکر ہے اور نہ ان مترجمین ارسطاطالیس کا، جن کی جانب جاحظ نے اشارہ کیا ہے، لہذا یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ یہ دونوں ترجمے ان مترجمین (جن کا ابن ندیم اور جاحظ نے ذکر کیا ہے) سے بہت پہلے ہو چکے تھے، یعنی مامون کی تخت نشینی سے قبل دوسری صدی ہجری کے اختتام سے بیشتر، توقیع کی عبارت حسب ذیل ہے،

"تمت الكتب الثلاثة من ترجمة محمد بن عبد الله المقفع، وقد ترجمها بعد محمد ابو نوح الكاتب النصراني ثم ترجمها بعد ابي نوح سلمة الحراني صاحب بيت الحكمة ليحيى بن خالد البرمكي الكتب الاربعة كلها قبل هؤلاء المترجمين الذين تكسائي الملكاني النصراني."[1]

---

[1] الترات الیونانی ص ۱۱۳ و معارف (مارچ ۱۹۵۶ء) ص ۲۱۵

ان بعد کے مترجمین میں سے سلمہ (سلم)، صاحب بیت الحکمہ سے تو ہم اچھی طرح واقف ہیں، لیکن ابو نوح کا نام عسیر التحقیق ہے، الفہرست میں یونانی و سریانی سے ترجمہ کرنے والوں کے ضمن میں "ابو نوح بن الصلت" کا نام تو ملتا ہے[1]، مگر یہ کہنا مشکل ہے کہ ابو نوح الکاتب النصرانی اور ابو نوح بن الصلت شخص واحد ہیں، پروفیسر پول کراؤس نے مسیحی علماء کے تذکروں اور سریانی ادب کی تواریخ کی مدد سے ابو نوح کی شخصیت کی تحقیق کی ہے، اس تحقیق کا ماحصل یہ ہے

[2] ابو نوح الکاتب النصرانی جاثلیق طیماتاؤس الاول (Kathalikos Timotheos I) کا ہمعصر، دوست اور ارسطو کی منطقی کتابوں کے ترجمہ میں اس کا معین و مددگار تھا، طیماتاؤس کو مہدی اور ہارون کے دربار میں بڑی عزت حاصل تھی، خلیفہ نے اسے ارسطو کی کتابوں کے عربی میں ترجمہ کرنے کا حکم دیا تھا، طیماتاؤس نے اپنے کثیر التعداد رسائل (جن میں سے ابھی اٹھاون [۵۸] رسالے محفوظ ہیں) ان تراجم کا ذکر کیا ہے، اس سلسلے میں اس نے یہ بھی بتلایا ہے کہ جس شخص نے اس مشکل کام میں اس کا ہاتھ بٹایا ہے، وہ "ابو نوح" ہے، چنانچہ وہ ایک رسالے میں جسے اس نے "طوبیقائے ارسطو" کا ترجمہ کرنے کے بعد قسیس فیثون کو بھیجا تھا، لکھتا ہے:

"خلیفہ نے ہم کو ارسطو فلسفی کی کتاب طوبیقا کو سریانی زبان سے عربی میں ترجمہ کرنے کا حکم دیا، اور بفضل خدا اس کام کو شیخ ابو نوح نے انجام دیا۔"[3]

طیماتاؤس کی اس تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ "ابو نوح" نے ایساغوجی، قاطیغوریاس، باری ارمینیاس اور انالوطیقا کے علاوہ (جن کا حوالہ مخطوطہ بیروت کی توقیع میں ہے) کم از کم طوبیقا (کتاب الجدل) کا بھی عربی میں ترجمہ کیا تھا، اور ممکن ہے کہ دوسری کتابوں کے بھی ترجمے کیے ہوں۔

[1] الفہرست ص ۳۴۱ [2] التراث الیونانی ص ۱۱۶ و معارف ص ۲۱۷

افسوس ہے کہ طیماتاؤس کے ان رسائل پر ان کی تاریخ تحریر ثبت نہیں ہے، ورنہ بآسانی پتہ چل جاتا کہ ابو نوح نے "طوبیقا" کا ترجمہ کب کیا تھا، پروفیسر پول کراؤس کا خیال ہے کہ ابو نوح نے منطق کی پہلی تین کتابوں کا ترجمہ ہارون الرشید کے عہد میں کیا، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

"اور نصرانی کاتب ابو نوح ہارون الرشید کا معاصر تھا"[3]

ان کا کہنا یہ بھی ہے کہ جس خلیفہ نے طیماتاؤس کو "طوبیقا" کے ترجمہ کا حکم دیا تھا، وہ غالباً ہارون الرشید تھا"[4] مگر انھوں نے اپنی اس رائے کی تائید میں کوئی دلیل نہیں دی، صرف "شاید ہارون الرشید"[5] کہہ کر بات ختم کر دی، میرا خیال ہے کہ طوبیقا کے ترجمہ کا حکم دینے والا ہارون نہیں، بلکہ اس کا باپ مہدی (۱۵۸ھ - ۱۶۹ھ) تھا، جن وجوہ سے میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ ابو نوح نے طوبیقا کا ترجمہ مہدی کے عہد حکومت میں کیا تھا، حسب ذیل ہیں:

۱- طیماتاؤس جیسا کہ پروفیسر موصوف نے اسمانی سے نقل کیا ہے، ۷۷۹ء مطابق ۱۶۲ھ میں جاثلیق مقرر ہوا، مہدی چار سال قبل ۱۵۸ھ میں تخت خلافت پر بیٹھا تھا، لہذا جاثلیق ہونے کے بعد اس کے لیے قدرتی امر تھا کہ حکمران وقت کی خوشنودی اور تقرب حاصل کرے، اور اس کے لیے ضروری تھا کہ وہ مہدی پر اپنی علمی قابلیت کا سکہ جما کر اپنا منصب مستحکم کرائے، ہارون الرشید کی تخت نشینی (۱۷۰ھ) کے وقت اسے جاثلیق مقرر ہوئے، آٹھ سال ہو چکے تھے، اور اس کی حیثیت مسلم ہو چکی تھی، اس لیے رسمی طور پر نئے حکمراں (ہارون الرشید) کے دربار میں حاضری کے علاوہ زیادہ جدوجہد کی ضرورت نہ تھی۔

مہدی زنادقہ کا دشمن تھا، مگر اہل کتاب (نصاریٰ) کے متعلق اس کی مخالفت تاریخ میں مذکور نہیں ہے، اس کے برعکس ہارون الرشید کا عہد حکومت رومیوں سے جدال و قتال

[3] التراث الیونانی ص ۱۱۷ و معارف ص ۲۱۸ [4] التراث الیونانی ص ۱۱۶ حاشیہ نمبر ۲ [5] لعلہ ہارون الرشید

گزرا، اس لیے اس کا طبعی نتیجہ یہ ہونا چاہیے تھا کہ وے نصاریٰ پر اعتماد یا کم از کم ان پر نظر کرم نہ ہو، چنانچہ ابن الاثیر ۱۹۱ھ کے واقعات کے ضمن میں لکھتا ہے،

وامر الرشید بھدم الکنائس	اور ہارون الرشید نے حکم دیا کہ سرحدی علاقے
بالثغور واخذ اھل الذمۃ	کے گرجا گھر ڈھا دیے جائیں اور ذمی لوگ
بمخالفۃ ھیئۃ المسلمین فی	لباس اور سواری میں مسلمانوں کے طریقہ
لباسھم ورکوبھم[1]	کے بجائے دوسرا طریقہ اختیار کریں،

۲- مہدی کا سب سے بڑا کارنامہ زندقہ والحاد کا استیصال ہے، اس کے لیے اس نے دو کام کیے، ایک یہ کہ زنادقہ کی تلاش وجستجو اور ان کے استیصال کے لیے ایک خصوصی افسر "صاحب الزنادقہ" کے نام سے مقرر کیا اور دوسرے ان کے اغوا واضلال کی تردید کے لیے اہل جدل (متکلمین) کو بلا کر ان کے رد میں کتابیں تصنیف کرنے کا حکم دیا، مسعودی کہتا ہے:

وکان المھدی اول من امر الجدلیین	اور مہدی نے سب سے پہلے طبقۂ متکلمین میں سے
من اھل البحث من المتکلمین	مناظروں کو بلا کر ملاحدہ اور دیگر مخالفین کے
بتصنیف الکتب فی الرد علی	رد میں جنکا ہم نے ذکر کیا ہی کتابیں تصنیف
الملحدین ممن ذکرنا من الجاحدین	کرنے کا حکم دیا، اور انھوں نے مخالفین کے
وغیرھم واقاموا البراھین علی	مقابلہ میں دلائل قائم کیے، ملاحدہ کے شبہات
المعاندین وازالوا شبھۃ الملحدین	کا ازالہ کیا اور شککین کے واسطے حق کو
فاوضحوا الحق للشاکین[2]	واضح کیا،

اس کے برخلاف ہارون کلامی قیل وقال، جدل اور مراء فی الدین کو ناپسند کرتا تھا، وہ تو

[1] کامل لابن الاثیر جلد ششم ص ۷۸ [2] مروج الذہب ومعادن الجواہر جلد ۲ ص ۴۰۱

صرف ادب اور فقہ کا شایق تھا، ابن الاثیر اس کی سیرت کے ضمن میں لکھتا ہے،

ویمیل الی اھل الادب والفقہ	اس کا میلان ادبا، وفقہا کی جانب تھا اور
ویکرہ المراء فی الدین[1]	مذہبی مناقشات کو ناپسند کرتا تھا،

لہٰذا اقتضائے عقل یہی ہے کہ مہدی نے طیماتاؤس سے جدلیات کے فن پر ارسطو کی کتاب کا ترجمہ کرنے کی فرمایش کی ہو نہ کہ ہارون نے، مہدی نے متکلمین کو زنادقہ وملاحدہ کے رد میں کتابیں لکھنے کا حکم دیا، مگر ان کا انداز استدلال فقیہانہ تھا، اور مقابلہ ایسے لوگوں سے تھا، جو کتاب وسنت کے حرف آخر ہونے کے منکر تھے، اس لیے ضروری تھا کہ ان سے منطقی انداز میں مناظرہ کیا جائے، اور چونکہ اس فن پر غالباً ابھی تک کوئی کتاب عربی میں شائع نہیں ہوئی تھی، یا کم از کم خلیفہ (مہدی) کے علم میں نہ تھی، اور متکلمین وجدلیین کا طبقہ عموماً عربی کے سوا اور زبانوں سے ناآشنا تھا، اس لیے قیاس کا مقتضا یہی ہے کہ جس شخص نے طیماتاؤس سے "طوبیقاے ارسطو" کا عربی میں ترجمہ کرنے کی فرمایش کی ہے، وہ مہدی ہو نہ کہ ہارون، جسے جدل اور مراء فی الدین سے بالطبع دلچسپی تھی،

پس ابو نوح نے طوبیقا کا ترجمہ مہدی (۱۵۸ھ - ۱۶۹ھ) کے عہد میں کیا ہو گا، اور چونکہ فطری ہے کہ قاطیغوریاس، باری ارمینیاس اور انالوطیقا نیز ایساغوجی کا ترجمہ طوبیقا سے پہلے کیا جائے، کیونکہ

اولاً تو ترتیب بھی اسی بات کی مقتضی ہے،

ثانیاً پہلی کتب ثلثہ عموماً متداول تھیں، لہٰذا ان کا ترجمہ آسان تھا، بمقابلہ طوبیقا کے جو نسبتہً بہت مشکل ہے، بلکہ اس کا ترجمہ اس درجہ معرکۃ الآرا کام تھا کہ طیماتاؤس کو اس کی تکمیل

[1] کامل لابن الاثیر جلد ششم ص ۱،

کے بعد اپنے احباب کو خوشخبری سنانے کی اہمیت محسوس ہوئی اور غالباً اس سے پہلے عربی میں اسکا ترجمہ ہوا بھی نہیں تھا، اور اگر ہوا بھی ہو تو کم از کم خلیفہ نے نہیں دیکھا تھا، چنانچہ طیماتاؤس نے قسیس فیثون کو لکھا تھا،

ممکن ہو کسی نے اس سے پہلے بھی اس کتاب کا عربی میں ترجمہ کیا ہو (ہم نے اس سے قبل بھی تم کو اس کے متعلق لکھا تھا، اور اس سلسلے میں جو واقعات پیش آئے انکی خبر بھی دی تھی) لیکن یہ ترجمہ خلیفہ کی نظر سے نہیں گزرا۔"[1]

اس لیے میرا خیال ہے کہ ابو نوح نے ارسطاطالیسی منطق کی پہلی کتب ثلثہ کا ترجمہ زیادہ سے زیادہ مہدی (۱۵۸ھ - ۱۶۹ھ) کے عہد خلافت میں کیا۔

تیسرے ترجمہ (یعنی سلم صاحب بیت الحکمۃ کے ترجمے) کے متعلق فاضل پروفیسر کی رائے ہو کہ یہ ترجمہ مامون الرشید کے زمانہ میں ہوا، چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

"لیکن سلم جو بیت الحکمۃ کا مہتمم تھا، اس نے ایک مدت کے بعد مامون کے عہد خلافت میں اس کام کو انجام دیا۔"[2]

لیکن میرے خیال میں ہمیں توقیع کی نص پر اعتماد کرنا چاہیئے اور جب تک اس سے کوئی تاریخی استحالہ لازم نہ آئے، اس کی تغلیط و تکذیب یا اضافہ و اصلاح کا حق نہیں ہے، توقیع میں ہے،

ثم ترجمها بعد ابی نوح سلم الحرانی صاحب بیت الحکمۃ یحیی بن خالد البرمکی"[3]

اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ سلما نے کتب اربعہ کا ترجمہ یحیٰی بن خالد البرمکی کے واسطے سے کیا تھا، اور چونکہ برامکہ کا زوال ہارون کے عہد خلافت میں ۱۸۷ھ میں ہوا، اس لیے سلما کا ترجمہ ۱۸۷ھ سے قبل مکمل ہو چکا ہوگا،

[1] التراث الیونانی ص ۱۱۶ و معارف ص ۲۱۷، ۲۱۸-۲۱۹ [2] ایضاً [3] ایضاً ص ۱۱۳

پروفیسر موصوف نے اپنی یہ رائے کہ سلما کا ترجمہ عہد مامونی میں ہوا، دو مقدموں پر قائم کی ہے،

اولاً یحیٰی بن خالد البرمکی کے لیے جس شخص نے ترجمہ کیا تھا، وہ محمد بن عبد اللہ المقفع ہے، اس مقدمے کی تائید میں وہ فرماتے ہیں کہ

"ثم ترجمها بعد ابی نوح سلم الحرانی صاحب بیت الحکمۃ لیحیی بن خالد البرمکی الکتب الاربعة کلها قبل هؤلاء الترجمتین الذین تکسانی الملکانی النصرانی۔"[1]

میں "قبل ہؤلاء الترجمتین" سے عبارت مستقیم نہیں ہوتی، اس سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ متن میں لفظ "یحیی" سے قبل لازمی طور پر کچھ نقص ہوگا،..... اس بنا پر متن کی تکمیل کے باب میں ان کا میلان مندرجۂ ذیل اصلاح کی جانب ہے۔

"وقد ترجم محمد بن عبد اللہ المقفع لیحیی بن خالد البرمکی الکتب الاربعة کلها

ثانیاً بیت الحکمۃ جس کا منتظم سلما تھا، عہد مامونی میں قائم ہوا تھا، اس سے وہ یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ چونکہ بیت الحکمۃ خلافت مامونی میں قائم ہوا تھا، لہذا سلما بھی عہد مامونی میں چمکا ہوگا، اس لیے سلما صاحب بیت الحکمۃ نے مدت مدید کے بعد مامون الرشید کے عہد خلافت میں ان کی منطقی کتابوں کا ترجمہ کیا ہوگا، اور یہ ناممکن ہے کہ سلما نے اپنا ترجمۂ کتب ارسطو یحیٰی بن خالد برمکی (المتوفی سنہ ۱۹۰ھ) کے واسطے کیا ہو، چنانچہ فرماتے ہیں،

"یہاں پر اتنا اشارہ کر دینا کافی ہو کہ وہ بیت الحکمۃ جس کا صدر سلم تھا، اس کو مامون ہی نے قائم کیا تھا، اس لیے یہ ناممکن ہو کہ اس نے ارسطو کی کتابوں کا جو ترجمہ کیا تھا وہ یحیٰی

[1] التراث الیونانی ص ۱۱۳، [2] ایضاً ص ۱۱۴ و معارف ص ۲۱۶

ابن خالد برمکی کے لیے کیا ہو، جس کا سال وفات زیادہ سے زیادہ ۱۹۰ھ/۸۰۵ء ہو سکتا ہے۔"[۱]

پہلے مقدمے کے سلسلے میں مجھے پروفیسر پول کراؤس سے یہاں تک تو اتفاق ہے کہ توقیع کی عبارت کا آخری حصہ مستقیم المعنی نہیں ہے، لیکن

۱- پروفیسر صاحب نے جو اضافہ تجویز فرمایا ہے، اس سے بھی عبارت مستقیم نہیں ہوتی، کیونکہ آخری الفاظ

"الذین تکسانی المکانی النصرانی۔"

کی تصحیح کسی طرح نہ ہو سکی، یہاں تک کہ پروفیسر صاحب نے بھی اس کی تصحیح سے مایوس ہو کر اس کو علی حالہا چھوڑ دیا،

۲- ہو سکتا ہے کہ ان آخری الفاظ کی تصحیح سے معنی مستقیم ہو جائیں، اور اتنی بڑی عبارت کے اضافے کی ضرورت نہ پڑے، کیونکہ یہ فرض کرنے کے مقابلہ میں کہ کاتب نے "وقد ترجم محمد بن عبد اللہ المقفع" کو نقل نہیں کیا، یہ فرض کرنا آسان ہے کہ اس نے آخری الفاظ کے نقل و انتساخ میں غلطی کی جس سے مطلب خبط ہو گیا،

۳- لیکن اگر اس اضافۂ عبارت کے بغیر چارہ نہ ہو تو ہمیں صرف اسی حد تک اصلاح و اضافہ کا حق ہے، جہاں معنی کے خبط ہونے کے علاوہ واقعات بھی اس کی تردید کرتے ہوں، اگر مصنف کی عبارت کے کسی جزو سے استحالہ لازم آتا ہو تو ہمیں اس کے مسخ کرنے کا کوئی حق نہیں ہے، لہٰذا میری رائے میں اگر "وقد ترجم محمد بن عبد اللہ المقفع" (ابی محمد عبد اللہ بن المقفع) کا اضافہ کرنا ہی ہے، تو "یحییٰ بن خالد البرمکی" سے پہلے کے بجائے بعد میں کیا جائے[۲]۔ اس طرح عبارت اس طور پر ہو جائے گی،

[۱] التراث الیونانی ص ۱۱۳-۱۱۴ و معارف ص ۲۱۵ [۲] اس متبادل تجویز کی دلیل آگے آ رہی ہے دیکھیے نیچے حاشیہ ۲۴

"ثم ترجمها بعد ابی نوح، سلما الحرانی صاحب بیت الحکمة یحیی بن خالد البرمکی وقد ترجم ابو محمد عبد اللہ بن المقفع الکتب الاربعة کلها قبل ہؤلاء الترجمتین۔"

کیونکہ اس بات سے کہ سلما نے یحییٰ بن خالد البرمکی کے لیے ان کتب منطقیہ کا ترجمہ کیا، کوئی محال لازم نہیں آتا، بلکہ قرائن اس کی تائید ہی کرتے ہیں، پس توقیع کی عبارت سے ظاہر ہے کہ یحییٰ بن خالد البرمکی کے واسطے جس شخص نے کتب منطقیہ کا ترجمہ کیا وہ "محمد بن عبد اللہ بن المقفع" نہیں، بلکہ "سلما صاحب بیت الحکمة" ہے، رہا پروفیسر موصوف کا یہ استدلال کہ

"اس لیے یہ ناممکن ہے کہ اس (سلما) نے ارسطو کی کتابوں کا جو ترجمہ کیا تھا، وہ یحییٰ بن خالد البرمکی کے لیے کیا ہو۔"[۱]

قبل از وقت ہے، یہ صرف ممکن ہی نہیں بلکہ امر واقعی ہے، یہ ترجمہ یحییٰ بن خالد البرمکی کے لیے ۱۸۱ھ سے قبل مکمل کیا تھا، مزید تفصیل آ رہی ہے،

دوسرے مقدمے کے سلسلے میں چند باتیں قابل غور ہیں،

۱- اول تو یہ بات قطعی طور پر طے نہیں ہے کہ بیت الحکمة سب سے پہلی مرتبہ عہد مامونی میں قائم ہوا، غالباً بیت الحکمة جس کا دوسرا نام خزانة الحکمة بھی ہے، ہارون الرشید کے زمانہ میں برامکہ کی علمی سرپرستی کے نتیجے میں قائم ہوا، اور غالباً اس کا پہلا منتظم "ابو سہل الفضل بن نوبخت الفارسی" تھا۔ اس کا باپ نوبخت ابو جعفر منصور کا منجم خصوصی تھا، نوبخت کے بوڑھے ہو جانے پر اس کا بیٹا ابو سہل باپ کا جانشین ہوا، اور مہدی کے بعد کے خلفاء کے یہاں بھی مقربین دربار میں سے رہا، یہاں تک کہ ہارون الرشید کا زمانہ آیا اور زمام وزارت یحییٰ بن خالد البرمکی کے ہاتھ میں آئی، برامکہ طبعاً علم و حکمت

[۱] التراث الیونانی ص ۱۱۴ و معارف ص ۲۱۵

کی سرپرستی کی جانب مائل تھے، اس لیے انھوں نے ایک عظیم الشان کتب خانہ (بیت الحکمۃ) قائم کیا، اس لائبریری کا مہتمم و منتظم ہارون الرشید نے ابو سہل الفضل بن نوبخت ہی کو مقرر کیا، قفطی کہتا ہے،

الفضل بن نوبخت ابو سهل	ابو سہل فضل بن نوبخت ایرانی النسل تھا،
الفارسی الاصل	...... وہ ہارون رشید کے زمانہ میں تھا،
کان فی زمن هارون الرشید و	جس نے اسے حکمت کی لائبریری کا مہتمم بنایا،
ولاه القیام بخزانة کتب	تھا، ایرانی فلسفہ کی کتابوں میں سے جو
الحکمة وکان ینقل من الفارسی	کتابیں اسے دستیاب ہوئیں اس کا
الی العربی ما یجده من کتب الحکمة	فارسی سے عربی میں ترجمہ کیا کرتا تھا،
الفارسیة ومعوله فی علمه	اور اس سلسلے میں اس کا اعتماد ایرانیوں
وکتبه علی کتب الفرس۔[1]	کی کتابوں پر ہوتا،

ابن الندیم ہارون الرشد کی اس لائبریری کو "خزانۃ الکتب" یا "خزانۃ کتب الحکمۃ" کے نام سے موسوم نہیں کرتا، بلکہ ہارونی لائبریری کو بھی وہ بیت الحکمۃ ہی بتاتا ہے، اور یہ بھی کہتا ہے کہ ہارون کے وہاں خود اس کی لائبریری کے علاوہ برامکہ کی ذاتی لائبریری بھی تھی، چنانچہ "علان الشعوبی" کے تذکرے میں لکھتا ہے،

وهو علان الشعوبی اصله من	علان الشعوبی ایرانی النسل تھا، وہ ہارون،
الفرس ...... وینسخ فی بیت	مامون اور برامکہ کی لائبریریوں میں
الحکمة للرشید والمامون والبرامکة[2]	کاتب تھا،

[1] اخبار العلماء باخبار الحکماء ص ۱۲۸ - ۱۲۹ [2] الفہرست ص ۱۵۳ - ۱۵۴

برامکہ کی ذاتی لائبریریوں کی تصدیق یحییٰ برمکی کے بیٹے موسیٰ نے بھی کی ہے، چنانچہ ان کی ثروت و کثرت کا جو تذکرہ اس نے جاحظ سے کیا تھا، جاحظ اس کے بارے میں لکھتا ہے،

وحدثنی موسی بن یحیی قال	موسیٰ بن یحییٰ نے مجھ سے بیان کیا کہ
ما کان فی خزانة یحیی وفی بیت	یحییٰ کی ذاتی لائبریری اور اس کے
مدارسه کتاب الا وله ثلاث	مدارس میں کوئی کتاب ایسی نہ تھی،
نسخ۔[1]	جس کے تین تین نسخے نہ ہوں،

اسی لائبریری کا لائبریرین سلما تھا، میرے اس خیال کی تصدیق توقیع کی عبارت سے بھی ہوتی ہے کہ

ثم ترجمها بعد ابی نوح سلمة الحرانی صاحب بیت الحکمة لیحیی بن خالد البرمکی الکتب الرابعة[2]

"لیحییٰ بن خالد البرمکی" کا فقرہ "ترجمها" سے متعلق نہیں ہے، بلکہ "صاحب بیت الحکمۃ" سے متعلق ہے، اس لیے "صاحب بیت الحکمۃ لیحییٰ بن خالد البرمکی" کے معنی ہوئے "یحییٰ بن خالد البرمکی کی لائبریری کا لائبریرین"...... عربی میں توالی اضافات مانع فصاحت سمجھا جاتا ہے، اس لیے اس عیب سے بچنے کے لیے طریق اضافت میں تنوع کر دیا جاتا ہے، اس کی بعینہ مثالیں "بیت الحکمۃ للرشید"[3] اور "صاحب خزانۃ الحکمۃ له"[4] ہیں، اسی بنا پر میرے خیال میں پروفیسر پول کراؤس کی یہ تجویز کہ "وقد ترجم محمد بن عبد اللہ بن المقفع" کا اضافہ "لیحییٰ بن خالد البرمکی" سے قبل یا "ثم ترجمها بعد ابی نوح سلم الحرانی صاحب بیت الحکمۃ" اور "لیحییٰ بن خالد البرمکی" کے درمیان کیا جائے[5] غلط ہے، کیونکہ اس طرح مضاف "بیت الحکمۃ" اور مضاف الیہ "لیحییٰ بن خالد البرمکی" کے درمیان فصل پیدا ہو جائے گا، جو دنیا کی ہر زبان کے صرف و نحو کے اعتبار سے ناجائز ہے۔

[1] کتاب الحیوان الجزء الاول ص ۳۰۰ [2] التراث الیونانی ص ۱۱۳ و مقالات ص ۲۱۵ [3] دیکھیے اوپر حاشیہ [4] الفہرست ص ۱۷۴ [5] دیکھیے اوپر حاشیہ

بہرکیف یحییٰ بن خالد البرمکی کی لائبریری کا لائبریرین سلما الحرانی تھا، مگر برامکہ کی نکبت و زوال کے بعد

ع آں قدح بشکست و آں ساقی نماند

کے مصداق علمی سرپرستیوں کا سارا کارخانہ ہی درہم برہم ہوگیا، اہل علم و فضل جو برمکی نوازشوں سے فیضیاب ہو رہے تھے، اور اس خاندان کی ہمت افزائی و قدر شناسی سے علم و حکمت کی ترقی میں ایک دوسرے سے گوے مسابقت لیجانے کی کوشش میں مشغول تھے، بددل ہوکر خانہ نشین ہوگئے، لیکن تیسری صدی کے آغاز میں جب مامون کو برادرانہ جنگیوں سے فرصت ملی تو اس نے اس علمی تحریک کو از سر نو زندہ کیا، اور جو اہل فن باقی رہ گئے تھے، انھیں پھر سے دربار میں بلایا، مثال کے طور پر عمر بن الفرخان الطبری (مشہور منجم) یحییٰ بن خالد البرمکی کے متوسلین میں سے تھا، چنانچہ قفطی اس کے ذکر میں کہتا ہے،

وکان منقطعا الی یحیی بن خالد بن برمک[1]	وہ یحییٰ بن خالد البرمکی کے مخصوص متوسلین میں سے تھا،

لیکن زوال برامکہ کے بعد اپنے وطن لوٹ گیا تھا، اور خانہ نشین ہوگیا تھا، جب مامون الرشید نے اہل کمال کو از سر نو جمع کیا تو اس کے وزیر فضل بن سہل ذو الریاستین نے عمر بن الفرخان کو بھی اس کے گھر سے بلاکر مامون کے دربار میں باریاب کرایا، قفطی لکھتا ہے:

ان ذا الریاستین الفضل بن سہل وزیر المامون استدعی عمر بن الفرخان من بلدہ ووصلہ بالمامون[2]	مامون کے وزیر فضل بن سہل ذو الریاستین نے عمر بن الفرخان کو اس کے گھر سے بلایا اور مامون کے دربار میں باریاب کرایا،

[1] اخبار الحکماء باخبار الحکماء ص ۱۶۱، [2] ایضاً ص ۱۶۲

اسی طرح سلم (سلما)، جو یحییٰ بن خالد البرمکی کے مقربین خاص میں سے تھا، اور اپنے علم و فضل کے لیے اسکی نگاہوں میں خصوصی وقعت رکھتا تھا[1]، اس خاندان کی تباہی کے بعد خانہ نشین ہوگیا، مگر جب عہد مامونی میں اہل علم کی دوبارہ تلاش ہوئی تو اسے بھی بلایا گیا، اور چونکہ وہ برامکہ کے زمانہ میں بیت الحکمۃ کا لائبریرین رہ چکا تھا، اس لیے اگرچہ مامون نے بیت الحکمۃ کی تجدید کے بعد سہل بن ہارون کو اس کا ناظم مقرر کیا تھا، لیکن جب اسے سلما کے علم و فضل اور بحیثیت خازن بیت الحکمۃ ہونے کی اس کی تجربہ کاری و کارآموزدگی کا پتہ چلا تو اس کو سہل بن ہارون کا شریک کار بنا دیا، ابن الندیم کہتا ہے،

سلم صاحب بیت الحکمۃ مع سہل بن ہارون[2]	سلما سہل بن ہارون کے ساتھ بیت الحکمۃ کا نگران (یعنی لائبریرین) تھا،

اس سلسلے میں دو تین باتیں اور قابل غور ہیں،

۱۔ ابن الندیم سہل بن ہارون کے تذکرے میں لکھتا ہے:

وصاحب خزانۃ الحکمۃ لہ (المامون)[3]	(سہل بن ہارون مامون کی) لائبریری کا لائبریرین تھا،

خزانۃ الحکمۃ تو وہی بیت الحکمۃ ہے، مگر اس "لہ" کی تقیید سے معلوم ہوتا ہے کہ خزانۃ الحکمۃ یا بیت الحکمۃ علم نہیں ہے، بلکہ اسم نکرہ (علم متعدد ی) ہے، کیونکہ مامون کے بیت الحکمۃ کے علاوہ اور بھی لوگوں کے بیت الحکمۃ تھے، چنانچہ ڈاکٹر ماکس مایرہوف نے لکھا ہے کہ مامونی بیت الحکمۃ کے پچیس سال بعد متوکل نے اس ادارے کی تجدید کی[4]، اور ۳۸۲ھ وزیر ابن اردشیر نے ایک نیا دار العلم قائم کیا، جو ۴۴۷ھ تک قائم رہا جس کو طغرل سلجوقی کے سپاہیوں نے لوٹ کر تباہ و برباد کردیا[5]،

[1] دیکھیے نیچے حاشیہ نمبر ، [2] الفہرست ص ۱۷۴، [3] ایضاً [4] التراث الیونانی ص ۷۵ [5] ایضاً ص ۷۴

ب۔ سلما بیت الحکمۃ ماموئی کا منتظم نہیں تھا، کیونکہ حسب تصریح ڈاکٹر ماکس مایر ہوف، مامون نے اپنی وفات سے تین سال قبل ۲۱۵ھ میں بغداد کے اندر بیت الحکمۃ قائم کیا تھا، اور اس کا منتظم یوحنا بن ماسویہ کو مقرر کیا، اور حسب تصریح ابن الندیم مامون کے خزانۃ الحکمۃ کا خازن سہل بن ہارون تھا، اور سلما اس کا صرف معاون تھا،

غرض بیت الحکمۃ ماموئی میں سلما کبھی صاحب بیت الحکمۃ نہیں رہا، لہذا فاضل پروفیسر کا یہ قول کہ:

"وہ بیت الحکمۃ جس کا صدر سلم تھا، اس کو مامون ہی نے قائم کیا تھا"[1]

محل نظر ہے، الفہرست میں کسی ایسے ماموئی بیت الحکمۃ کا ذکر نہیں ملتا جس کا صدر [صاحب] سلما ہو، ہاں وہ عہد ماموئی میں دوسروں کے ساتھ معین لائبریرین تھا اور بس۔

ج۔ ابن الندیم سلما کو متعدد مواقع پر "صاحب بیت الحکمۃ" کہتا ہے، لہذا اگر سلما مامون الرشید کے عہد خلافت میں بیت الحکمۃ کا لائبریرین ہوگا تو یا تو یوحنا بن ماسویہ اور سہل بن ہارون کے بعد بیت الحکمۃ کا خازن ہوا ہوگا، مگر یہ ایسا مفروضہ ہے جو فرض نہیں کیا جا سکتا اور یا ان سے پہلے، مگر ۱۸۷ھ کے بعد سے جو برامکہ کے زوال کا سال ہے ۲۱۵ھ تک جبکہ مامون الرشید نے ازسر نو بیت الحکمۃ کی تجدید کی تاریخ کسی بیت الحکمۃ کا پتہ نہیں دیتی، اس لیے اگر وہ "صاحب بیت الحکمۃ" تھا، تو یقیناً ۱۸۷ھ سے قبل برامکہ کے زمانہ میں رہا ہوگا کیونکہ اپنی علمی سرپرستی کے شوق کی بنا پر یحییٰ بن خالد البرمکی پہلا شخص تھا جس نے اسلام کی تاریخ میں "بیت الحکمۃ" کا ادارہ قائم کیا، نیز جب اس نے سلما کو المجسطی کی شرح و تفسیر کے لیے بلایا تو صاحب بیت الحکمۃ ہی کے نام سے بلایا، ابن الندیم کہتا ہے:

[1] التراث الیونانی ص ۲۰، و معارف ص ۲۱۵

فندب لتفسیرہ ابا حسان	پس اس نے ابا حسان اور سلما صاحب بیت الحکمۃ
وسلما صاحب بیت الحکمۃ[1]	کو المجسطی کی شرح و تفسیر کے لیے بلایا،

غرض بیت الحکمۃ پہلی مرتبہ عہد ماموئی میں قائم نہیں ہوا، بلکہ اس کی ابتدا برامکہ نے کی تھی، اور مامون الرشید نے اٹھائیس سال بعد اس کی تجدید کی جس طرح پچیس سال بعد متوکل باللہ نے دوبارہ اور اس کے تقریباً ڈیڑھ سو سال بعد وزیر ابن اردشیر نے تیسری مرتبہ اس کی تجدید کی،

۲۔ علی سبیل التنزل یہی فرض کر لیجیے کہ بیت الحکمۃ جس کا منتظم سلما تھا عہد ماموئی ہی میں قائم ہوا اور یہ کہ سلما ۲۱۵ھ سے قبل جبکہ حسب تصریح ڈاکٹر ماکس مایر ہوف بیت الحکمۃ پہلی مرتبہ قائم ہوا، "صاحب بیت الحکمۃ" نہیں تھا، لیکن اس فرض سے یہ نتیجہ کیسے نکالا جا سکتا ہے کہ اگر بیت الحکمۃ عہد ماموئی میں قائم ہوا تو سلما بھی عہد ماموئی ہی میں چمکا ہو، حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ وہ برامکہ کی علمی سرپرستی کے زمانہ ہی میں اپنے اقران میں ایک ممتاز ترین مقام حاصل کر چکا تھا، ابن الندیم کہتا ہے کہ یحییٰ بن خالد البرمکی نے جب بطلیموس کی کتاب المجسطی کی شرح و تفسیر کرانا چاہی تو بہت سے علماء نے اس کام کو انجام دیا، مگر یحییٰ برمکی کی جوہر شناس نگاہوں میں یہ شرح و تفاسیر نہ جنچ سکیں، اس لیے اس نے ابا حسان اور "سلما صاحب بیت الحکمۃ" کو بلا کر یہ کام ان کے سپرد کیا، اور انھوں نے ایک آزمودہ کار کی حیثیت سے اس فرض کو انجام دیا، الفہرست میں ہے:-

الکلام علی کتاب المجسطی	کیفیت کتاب المجسطی ..... پہلا شخص جس نے اس کی
واول من عنی بتفسیرہ واخراجہ	شرح و تفسیر اور عربی میں ترجمہ کرانے کی طرف
الی العربیۃ یحیی بن خالد بن	توجہ کی یحییٰ بن خالد بن برمک تھا، بہت سے لوگوں نے
برمک. ففسرہ لہ جماعۃ فلم	اس کے لیے اس کی تفسیر کی مگر کما حقہ اس کام کو

[1] الفہرست ص ۳۷۴

يتقنوه ولم يرض ذلك فندب لتفسيره ابا حسان وسلما صاحب بيت الحكمة فاتقناه واجتهدا في تصحيحه بعد ان احضرا النقلة المجودين فاختبرا نقلهم واخذا بافصحه واصحه۔[1]

. . . .

. . . .

انجام نہیں دیا اور یحییٰ ان تفاسیر سے مطمئن نہیں ہوا، لہٰذا اس نے اس کی تشریح و توضیح کے لیے ابا حسان اور سلم صاحب بیت الحکمۃ کو بلایا تو انھوں نے بڑی خوش اسلوبی سے یہ کام انجام دیا اور اس کی تصحیح میں بہت زیادہ کوشش کی بعد اس کے کہ قابل مترجموں کو بلا کر ان کے ترجموں کا امتحان لیا اور ان میں جو سب سے زیادہ فصیح اور سب سے زیادہ صحیح تھا اسے منتخب کیا،

ظاہر ہے جو شخص المجسطی کی شرح و تفسیر کر سکتا ہے، وہ ارسطاطالیسی منطق کی کتب ثلاثہ کا ترجمہ بھی کر سکتا ہے، حالانکہ پہلا کام کڑی کمان کا زہ کرنا تھا اور دوسرا، اہل علم کا ایک معمولی مشغلہ بن چکا تھا، نیز سلم کا صاحب بیت الحکمۃ ہونا اس امر میں قادح نہیں ہو سکتا، کہ اس نے یحییٰ بن خالد البرمکی کے لیے کتب منطقیہ کا ترجمہ کیا ہو، جبکہ حسب تصریح الفہرست، یحییٰ بن خالد نے سلما کو بلا کر المجسطی کی شرح و تفسیر کا کام اس کے سپرد کیا، اس موقع پر بھی سلما کو ابن الندیم نے "صاحب بیت الحکمۃ" ہی لکھا ہے، پس اگر سلما "صاحب بیت الحکمۃ" کہلاتے ہوئے [جس کے لیے پروفیسر موصوف کا خیال ہے کہ وہ عہدہ اسے عہد امونی میں حاصل ہوا] یحییٰ بن خالد البرمکی کے لیے کتب منطقیہ کا ترجمہ نہیں کر سکتا تو پھر اسی طرح "صاحب بیت الحکمۃ" کہلاتے ہوئے المجسطی کی شرح و تفسیر کے لیے یحییٰ بن خالد البرمکی کے یہاں کیسے بلایا جا سکتا ہے؟

اسلئے یہ خیال کہ سلما نے ان منطقی کتابوں کا ترجمہ یحییٰ بن خالد البرمکی کے لیے کیا کسی طرح مستبعد

---

[1] الفہرست ص ۳۴۴

نہیں ہے، بلکہ قرائن و واقعات اس کے موید اور مقتضی ہیں اور توقیع کی عبارت اس کی جانب اشارہ کرتی ہے اور بغیر اشد ضرورت کے ہمیں کسی مصنف کی عبارت میں حک و اصلاح کا حق نہیں ہے، اس لیے میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ دوسری صدی ہجری میں ارسطاطالیسی منطق کی کتابوں کے چار ترجمے ہوئے،

(۱) کتاب المقولات کا ترجمہ جس کا مترجم اور زمانہ ترجمہ دونوں مجہول ہیں، غالباً یہ ترجمہ ۱۳۶ھ سے قبل ہوا،

(۲) عبداللہ بن المقفع کا ترجمہ: اس نے ایساغوجی، قاطیغوریاس، باری ارمینیاس اور انالوطیقا کا ترجمہ کیا، اس ترجمہ کا زمانہ ۱۳۶ھ اور ۱۴۵ھ کے مابین ہے، عبداللہ بن المقفع نے یہ ترجمہ فارسی (پہلوی) تراجم سے کیا تھا، ممکن ہے ترجمہ کرتے وقت اس نے یونانی و سریانی تراجم کو بھی سامنے رکھا ہو،

(۳) ابو نوح کاتب نصرانی کا ترجمہ: اس ترجمہ کا زمانہ مہدی کا عہد حکومت (۱۵۸ھ - ۱۶۹ھ) ہے، ابو نوح نے ان کتب ثلثہ کے علاوہ ارسطاطالیسی منطق کی دوسری کتابوں بالخصوص طوبیقا (کتاب الجدل) کا بھی ترجمہ اسی زمانہ میں کیا تھا، یہ ترجمہ غالباً سریانی سے ہوا تھا،

(۴) سلما صاحب بیت الحکمۃ کا ترجمہ: اس ترجمہ کا زمانہ برامکہ کا عہد عروج ۱۷۰ھ - ۱۸۷ھ ہے، غالباً سلما نے براہ راست یونانی اصل سے ترجمہ کیا تھا،

مولانا خرم علی بلہوری اور اُن کی علمی خدمات کا تفصیلی جائزہ

از

مولانا محمد عبد الحلیم صاحب چشتی، فاضل دیوبند،

(۳)

(۴) غایۃ الاوطار ترجمہ دُرّ المختار: یہ فقہ حنفی کی نہایت مشہور اور معتبر کتاب درالمختار کا اردو ترجمہ ہے غایۃ الاوطار، اگرچہ ترجمہ کے نام سے مشہور ہے، مگر حقیقت میں یہ ترجمہ اتنا جامع ہے کہ گویا شرح کا کام دیتا ہے، چنانچہ مطبع اودھ اخبار کی طرف سے جو دیباچہ اس کتاب میں ہے اس میں اس کی جانب نہایت لطیف اشارہ ہے،

"الحمد للہ والمنہ کہ یہ اردو ترجمہ درمختار جس کو عالم المعی فاضل لوذعی مولوی خرم علی صاحب مرحوم نے طحطاوی اور حاشیہ مدنی کے ساتھ ترجمہ کیا تھا[1]"

یہی وجہ ہے کہ حضرت مترجم اپنی تیرہ سالہ متواتر کوشش کے باوجود اُس کو پایۂ تکمیل تک نہ پہونچا سکے، اگر صرف ترجمہ ہی کرنا ہوتا، تو یہ کام اس سے پیشتر کبھی کا ہو جاتا، اور اتنا عرصہ ہرگز نہ لگتا،

یہ ترجمہ بھی موصوف نے نواب ذوالفقار علی بہادر رئیس باندا کی فرمائش پر ۱۲۵۸ھ ۱۰۴۲ء میں شروع کیا تھا،

ترجمہ کی تکمیل کس طرح ہوئی، اس کے متعلق مولانا محمد احسن نانوتوی کا حسب ذیل بیان

[1] غایۃ الاوطار ترجمہ درالمختار طبع سوم نولکشور ۱۳۱۰ھ ج ۱ ص ۲،

پڑھنے کے قابل ہے،

"اس کتاب جلیل الشان کو مرحوم خرم علی صاحب بلہوری نے حسب فرمائش نواب صاحب بہادر مبرور والی باندہ ۱۲۵۸ھ میں کتاب النکاح سے اردو میں ترجمہ کرنا شروع کیا، متواتر تیرہ برس ترجمہ کرکے رجب ۱۲۷۰ھ میں آخر کتاب تک پہنچا دیا، پھر محرم ۱۲۷۱ھ تک کتاب کا ترجمہ پورا کرکے شروع سے باب الاذان تک لکھنے پائے تھے، کہ یکایک رہگرائے عالم بقا ہوئے[1]"

درالمختار جیسی بلند پایہ کتاب کا ترجمہ مولانا موصوف کا بہت اہم کارنامہ ہے، اس کا اندازہ کچھ وہی لوگ کر سکتے ہیں، جنھیں کبھی ایسے کام کرنے کا اتفاق ہوا ہے، ترجمہ اگرچہ بہت سلیس نہیں لیکن بڑا عالمانہ ہے، اس کا نمونہ یہ ہے،

درمختار	اردو ترجمہ
والمباح ما اجیز للمکلفین فعلہ وترکہ بلا استحقاق ثواب وعقاب نعم یحاسب علیہ حسابا یسیراً کذا فی الاختیار،	اور مُباح وہ فعل ہے جس کے کرنے اور نہ کرنے کی مکلف لوگوں کو اجازت ہو، بلا استحقاق ثواب اور بلا ترتب عتاب، ہاں البتہ یہ ہے کہ مُباح پر کچھ ہلکا سا حساب ہوگا، کذا فی الاختیار، م، عدم ثواب اور عذاب درصورت عدم نیت کے ہے، اور اگر مباح میں عبادت کی نیت کرے تو ثواب ہوگا، اور اگر گناہ کی نیت کرے تو عذاب ہوگا، قال

[1] ایضاً ملاحظہ ہو، کتاب مذکور ص ۳۔

صلی اللہ علیہ وسلم انما
الاعمال بالنیات ،

کل مکروہ ای کراھة تحریم
حرام ای کالحرام فی العقوبة
بالنار عند محمد واما المکروہ
کراھة تنزیه فالی الحل
اقرب اتفاقاً ،

جو مکروہ تحریمی ہے وہ حرام کے مانند ہے
دوزخ کے عذاب میں محمد کے نزدیک اور
مکروہ تنزیہی تو حلال کی طرف نزدیک تر
ہے، باتفاق امام اور شیخین کے ،

. . . .

م، حرام وہ ہے جو بدلیل قطعی یقینی ممنوع
ہوا، اور اس کا ترک فرض ہے، چنانچہ
شراب پینا اور مکروہ تحریمی وہ ہے جو
بدلیل ظنی ممنوع ہوا اور اس کو ترک کرنا
واجب ہے، جیسے سوسمار کا کھانا اور
شطرنج کا کھیلنا، تو امام محمد جب اپنی
کتابوں میں کراہت بولتے ہیں، تو
اس سے حرام مراد رکھتے ہیں، اور مکروہ
تحریمی کو حرام نہیں کہتے، اس واسطے کہ
اس کی دلیل قطعی نہیں، جو حرمت پر
دلالت کرے، تو جس کی حرمت دلیل
غیر قطعی یعنی خبر احاد یا قول صحابی سے

. . . .

ثابت ہے، اوس کو مکروہ کہتے ہیں، اور
اور یہ جو کہا کہ مکروہ تنزیہی حلال سے
نزدیک تر ہے، یعنی اوس کے کرنے والے
پر اصلا عذاب نہیں، لیکن اس کا تارک
کچھ تھوڑا ثواب پاوے گا، کذا
فی الطحطاوی،[1]

مولانا کے پاس چونکہ قلمی کتابیں تھیں، اس لئے کہیں کہیں ترجمہ میں دشواری ہوئی، چنانچہ آپنے بعض عبارتوں کا ترجمہ چھوڑ دیا تھا، اور حاشیہ پر لکھدیا تھا کہ اس کا ترجمہ تامل کے بعد لکھا جائیگا مگر مولانا محمد احسن نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے جب باقی حصہ کا ترجمہ کیا، تو انھوں نے چھوٹے ہوئے حصوں کا ترجمہ بھی کر دیا

یہ مولانا محمد احسن نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا بہت بڑا احسان ہے، کہ انھوں نے اس ناتمام ترجمہ کو مولانا خرم علی رحؒ کے ورثار سے خرید کر مکمل کیا، اور تصحیح کرکے چھپوایا،

پہلی بار یہ کتاب موصوف نے چند احباب کی شرکت میں چھپوائی تھی، لیکن سوء اتفاق سے ان میں سے بعض کا انتقال ہو گیا، اور کتاب کے چھپنے میں کھنڈت پڑ گئی، آخر نواب کلب علی خان کی امداد سے پھر طباعت کا کام شروع ہوا، اور پوری چار جلدیں چھپ کر منظر عام پر آگئیں، اور منشی نولکشور کے مطبع میں بار بار چھپیں، اور اب تک چھپتی رہتی ہیں،

۵۔ شفاء العلیل ترجمہ قول الجمیل: یہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی عربی کتاب القول الجمیل فی بیان سواء السبیل" کا اردو ترجمہ اور مختصر شرح ہے، یہ تصوف کے

---

[1] غایۃ الاوطار ج ۔۴۔ ص ۱۹۲۔

اشغال وتعلیمات بیعت کے شرائط اور سلاسل صوفیہ پر نہایت مفید کتاب ہے، یہ ترجمہ ۱۲۶۰ھ ۱۸۴۴ء میں پایۂ تکمیل
کو پہنچا، چنانچہ موصوف نے خاتمۃ الکتاب میں لکھا ہے،

"مترجم کہتا ہے الحمد للہ کہ اس کے حسن توفیق سے ترجمہ قول الجمیل کا چوبیسویں ربیع الآخر
بارہ سو ساٹھ (۱۲۶۰ھ) میں پورا ہو گیا"

اس کتاب کا ترجمہ مولانا نے بعض عزیز دوستوں اور مخلص احباب کی فرمائش پر کیا تھا، چنانچہ
آغاز کتاب میں لکھتے ہیں :-

"اما بعد عاجز بندہ، گناہوں سے شرمندہ، خرم علی عفی اللہ عنہ، خدمات اہل دین
میں عرض کرتا ہے کہ بعض مخلص احباب نے فرمائش کی کہ کتاب مستطاب "قول الجمیل فی
بیان سواء السبیل" تصنیف عالم ربانی، مرتاض حقانی، عارف باللہ حضرت شاہ ولی اللہ
محدث دہلوی کا ترجمہ اردو میں کرے"،

آگے ترجمہ کی نوعیت اور فوائد کی ضرورت کے متعلق لکھتے ہیں :-

"اب معلوم کرنا چاہئے کہ ترجمہ اس کتاب میں محاورہ مقدم رکھا، گو اصل کے تراجم
الفاظ میں تقدیم اور تاخیر واقع ہو، اس واسطے کہ ترجمہ کرنے سے سہولت فہم مقصود ہے
سو ترجمہ تحت اللفظ میں حاصل نہیں، اور حواشی مصنف قدس سرہ اور ان کے خلف الرشید
علامۂ عصر، مسند دہر مولانا شاہ عبد العزیز کے اس کتاب پر صحیح پائے، مزید توضیح اور
تکثیر فوائد کے واسطے ان کا ترجمہ بھی ذیل فوائد میں مندرج کر دیا، جہاں کہیں مولانا
کا لفظ آوے تو مولانا شاہ عبد العزیز مراد ہوں گے، اس کا نام شفاء العلیل ترجمہ
قول الجمیل رکھا، حق تعالیٰ اس ترجمہ کو اپنے مزید کرم سے مقبول فرما دے، اور مترجم
اور صاحب فرمائش اور سائر اہل دین کو اس کتاب کی برکات سے فائدہ مند کرے آمین"

مترجم کی یہ دعا قبول ہوئی، اور یہ کتاب بھی بارہا چھپی، اور کثرت سے شائع ہوئی، ترجمہ کی
زبان اگرچہ قدیم ہے، مگر سہل ہے، ترجمہ کا نمونہ یہ ہے۔

متن عربی	ترجمہ اور شرح اردو
ولعلك تقول اخبرني عن	اور شاید کہ اے مخاطب تو کہے گا کہ مجھکو
البيعة ما هي واجبة او	بیعت کا حکم بتائیے کہ کیا ہے واجب ہے
سنة ثم ما الحكمة في	یا سنت، پھر بیعت کے مشروع ہونے
شرعها ثم ما شرط من	میں حکمت کیا ہے، پھر بیعت لینے والے کی شرط کیا ہے، پھر
ياخذ البيعة ثم ما شرط	بیعت کرنے والے کی شرط کیا ہے، پھر بیعت کرنا کس الفاظ سے
المبائع وما نكثه ثم هل	بیعت کس کو کہتے ہیں، اور عہد شکنی کیا ہے
يجوز تكرار البيعة من عالم	پھر جائز کیا ہے مگر کرنا بیعت کا ایک عالم
واحد او علماء كثيرين ثم	یا علماء کثیر سے یا جائز نہیں پھر کون الفاظ
ما اللفظ الماثور عند البيعة	منقول ہیں سلف سے بیعت کے وقت؛
فاقول اما المسئلة الاولى	سو میں کہتا ہوں ساتوں سوالات
فاعلم ان البيعة سنة وليست	کے جواب مفصلاً، پہلے سوال جواب کو تو
بواجبة لان الناس بايعوا	یوں سمجھ لے، کہ بیعت سنت ہے، واجب
النبي صلى الله عليه وسلم وتقربوا	نہیں، اس واسطے کہ اصحاب نے رسول
بها الى الله تعالى ولم يدل	کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی، اور
دليل على تاثيم تاركها ولم	اس کے سبب سے حق تعالیٰ کی نزدیکی چاہی،
ينكر احد من الائمة على	اور کسی دلیل شرعی نے تارک بیعت کے گنہگار

تارکھا فکان کالاجماع علی انھالیست بواجبۃ،

ہونے پر دلالت نہ کی، اور ائمۂ دین نے تارکِ بیعت پر انکار نہ کی، تو یہ عدم انکار گویا اجماع ہو گیا، اس پر کہ وہ واجب نہیں

ف: اور اگر بیعت تقویٰ کی واجب ہوتی تو بالضرور اس کے تارک پر انکار وارد ہوتی، تو معلوم ہو گیا کہ بیعت سنت ہے، کہ حقیقت سنت بھی ہے کہ فعل مسنون بلا دلیل وجوب تقرب الی اللہ کا موجب ہے[1]

یہ بتانا تو مشکل ہے، کہ پہلی بار یہ کتاب کس مطبع میں چھپی، ایک نہایت قدیم نسخہ جو مطبع درخشانی میں چھوٹے لعل کے زیر اہتمام ۱۲۷۸ھ/۱۸۶۱ء کا چھپا تھا، میرے والد مرحوم کے پاس تھا، جواب احقر کے پاس ہے، یہ متوسط تقطیع کے ۱۲۰ صفحات پر مشتمل ہے، درصحت میں اپنی نظیر آپ ہے،

شفاء العلیل ۱۲۸۷ھ/۱۸۷۰ء میں مطبع حیدری بمبئی سے چھپی، اور متوسط تقطیع کے ۱۰۶ صفحات پر مشتمل ہے، اس کے خاتمۃ الکتاب پر جو عبارت ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ کتاب اس سے پہلے بھی متعدد بار چھپی ہے، عبارت یہ ہے،

"حسن اہتمام سعی بلیغ کے جناب قاضی ابراہیم بن قاضی نور محمد صاحب کے در مطبع حیدری واقع بمبئی میں ۲ رمضان المبارک ۱۲۸۷ھ کو چھاپی، ہر چند کہ اغلاط اعراب والفاظ کہ جو نسخہ مطبوع سابق میں بمقتضائے بشریت کے باقی رہے تھے، کئی نسخے بہم پہنچا کر متعدد درست ہوئے،[2]

[1] شفاء العلیل ترجمہ قول الجمیل مطبع درخشانی ص ۹ - [2] شفاء العلیل، مطبع حیدری بمبئی ۱۲۸۷ھ ہجری ص ۱۰۶، یہ نسخہ کتابخانہ خاص انجمن ترقی اردو (پاکستان) کراچی میں ہماری نظر سے گزرا،

(۶) **ترجمہ شہادتین**: یہ شاہ عبد العزیز دہلوی کے عربی رسالہ "سر الشہادتین" کا اردو ترجمہ ہے، یہ ترجمہ مع متن ۱۲۵۷ھ/۱۸۴۱ء میں مطبع مصطفائی لکھنؤ سے چھپ کر شائع ہوا ہے لیکن ترجمہ کے متعلق اس رسالہ میں کوئی تفصیل نہیں ملتی، ہم نے اس کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ انجمن ترقی اردو (پاکستان) کراچی میں دیکھا ہے جس میں صرف اردو ترجمہ ہے متن نہیں، یہ ترجمہ مولانا نے نواب ذوالفقار علی رئیس باندا کی فرمایش پر ۱۲۴۶ھ/۱۸۳۰ء میں کیا تھا، جیسا کہ ابتداء میں لکھتے ہیں،

"حمد بیشمار اس حاکم با اقتدار کو کہ جس کے بھید سے کوئی خبر نہیں اور اس کے تیر قضا کے بجز صبر و شکیبائی کے کوئی سپر نہیں، اور ہزاروں درود اس کے نبی کریم پر کہ جس نے اعدائے دین سے کیا کیا صدمے اٹھائے، اور اس کے آل و اصحاب پر جن سے حق بندگی کا کیا خوب ادا ہوا، یہاں تک کہ اس کی راہ میں ٹکڑے ٹکڑے ہوئے، اور زخم پر زخم کھائے، بعد اس کے سُنا چاہیے، کہ رئیس العلماء مولانا شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے شہادتِ امام حسن و حسین علیہما السلام میں عجب تقریر دلپذیر فرمائی کہ آج تک کسی عالم دانشمند کے خیال میں نہیں آئی، خلاصہ اس کا یہ ہے،

شہادت حسین درحقیقت شہادت نبی الثقلین ہے، اور اس مدعا کو نہایت خوبی اور لطافت سے ثابت کیا ہے، ازبسکہ رسالہ نادرۂ روزگار عربی تھا، مقدام[1] والا مقام نامدار سردار بحر و بر جناب نواب ذوالفقار علی بہادر دام اقبالہ نے راقم الحروف عاجز خرم علی سے ارشاد فرمایا کہ اگر اس کا ترجمہ ہندی میں ہو جائے، تو ہر شخص اس کا لطف اٹھائے چنانچہ بموجب ارشاد کے عمل میں آیا، اور خلاصہ مطلب ترجمہ میں ہندی محاورے کے

[1] افسوس یہ نسخہ نہایت غلط ہے، املا کی غلطیاں کثرت سے موجود ہیں، چنانچہ مقدام والا کو خدام والا مقام لکھا ہے، اسی طرح خطِ شکست میں "عاجز خرم علی" ہوگا، جس کو "مردود خرم علی" لکھا ہے،

موافق کرکے جہاں مجمل تھا اس کو مفصل کیا تاکہ ہر شخص بے تکلف مطالب کو پوچھے، اور کسی کا دل نہ اکتائے، بارے الحمد للہ کہ ماہ محرم ۱۲۲۶ھ[1] میں انجام کو پہنچا، اور ترجمہ تحریر الشہادتین اس کا نام رکھا۔"

رسالہ سر الشہادتین مطبع مصطفائی سے پہلے کسی مطبع میں چھپا تھا لیکن اس میں متن کے بہت اغلاط تھے، اس لئے محمد مصطفےٰ خان مالک مطبع مصطفائی المتوفی ۱۲۶۹ھ/۱۸۵۲ء نے پھر اسکو اپنے مطبع میں مولانا خرم علی بلہوری کے اردو ترجمہ کے ساتھ چھاپا، لیکن مولانا خرم علیؒ کے نسخہ میں متن کی عبارت کم تھی، اس نسخہ میں بقیہ متن کا اضافہ کر دیا[2]، جیسا کہ محمد مصطفےٰ خان خاتمۃ الکتاب میں لکھتے ہیں:

"ہزاران ہزار شکر پروردگار کہ باہتمام سراپا عصیان محمد مصطفےٰ خان ولد حاجی محمد روشن خان اور تصحیح کمترین امت خیر البشر سعد الدین حیدر کے مطبع مصطفائی میں کہ بیت السلطنت لکھنؤ کے محلہ محمود نگر میں قریب اکبری دروازے کے واقع ہے، بیچ جمادی الاولیٰ ۱۲۵۷ھ میں اختتام کو پہنچا چھپنا رسالہ شریف سر الشہادتین تصنیف افضل المتکلمین اشرف المتاخرین مولینا شاہ عبد العزیز دہلوی قدس سرہٗ العزیز کا ساتھ ترجمہ مشمول عنایت ازلی مولوی خرم علی بلہوری کے مگر جہاں اُن کے نسخہ میں عبارت متن کی کم تھی وہاں موافق شرح تحریر الشہادتین تالیف عارف باللہ مولانا شاہ سلامت اللہ کے ترجمہ کر دیا، اور واسطے توضیح مطالب رسالہ کے عوام کی سمجھ کے موافق عبارت شرح اور صواعق محرقہ کے زبانِ اردو میں ترجمہ کرکے بطریق فائدوں کے حاشیہ پر لکھدی، اور اس رسالہ کو بعد اس کے کہ مسخ ہوگیا تھا کر سعی با... چھکر

---

[1] یہ غالباً اصل میں ۱۲۴۶ھ ہوگا جس کو ناقل نے ۱۲۲۶ھ کر دیا، ورنہ پھر شاہ عبد العزیز لکھنا کیونکر صحیح ہوگا، اس لئے کہ شاہ عبد العزیزؒ کا انتقال ۱۲۳۹ھ میں ہوا ہے، اسی لئے ہم نے ابتدا میں ۱۲۴۶ لکھا ہے۔

[2] ہمارا خیال ہے کہ جو نسخہ مولانا خرم علیؒ کے پاس تھا، غالباً شاہ صاحبؒ کا اصل متن بھی اتنا ہی ہوگا، اور

پھر درجۂ صحت کو پہنچایا، ورحم اللہ امرأ انصف ولم یتعسف۔"[1]

مولانا خرم علیؒ نے نثر کا ترجمہ نثر میں کیا ہے، اور شعروں کا شعروں میں، ترجمہ کا نمونہ یہ ہے:

اعلم رحمک اللہ تعالیٰ ان	اس کو جانئے کہ جو کمالات، اور
الکمالات التی تفرقت فی	خوبیاں جُدا جُدا اور پیغمبروں علیہم
الانبیاء علیہم السلام قد	السلام میں ہیں سو ہمارے پیغمبر
اجتمعت فی نبینا محمد صلی اللہ	علیہ الصلوٰۃ والسلام
علیہ وسلم،	میں بالکل یکجا جمع ہوگئیں،
فقد اُعطی الخلافۃ کما	چنانچہ حضرتؐ کو خلافت ملی جیسے آدم
اعطی آدم وداؤد علیہما	اور داؤد علیہما السلام کو اور حضرتؐ کو سلطنت
السلام واعطی الملک کما	ملی جیسے سلیمان علیہ السلام کو اور حضرتؐ
اعطیٰ سلیمان علیہ السلام	میں حسن تھا جیسا یوسف علیہ السلام
واعطی الحسن کما اعطی یوسف	میں اور حضرتؐ میں خلّت تھی جیسے حضرت
علیہ السلام واعطی الخلۃ	ابراہیم علیہ السلام میں، اور حضرتؐ سے
کما اعطی ابراہیم علیہ السلام	خدا ہم کلام ہوا، جیسے موسیٰ علیہ السلام
واعطی الکلام کما اعطی موسیٰ	سے اور حضرتؐ عابد تھے جیسے یونس علیہ
علیہ السلام واعطی العبادۃ	السلام، اور حضرتؐ بڑے شکر گذار تھے،

(بقیہ حاشیہ ص ۶۴) اضافہ الحاقی ہوگا، اس لئے کہ اس میں بعض باتیں ایسی ہیں، جو شاہ عبد العزیز دہلویؒ کے قلم کی نہیں معلوم ہوتیں، ظاہر ہے جو شخص تحفہ اثنا عشریہ جیسی بلند پایہ کتاب لکھ سکتا ہے، اس کے قلم سے ایسی باتیں کیونکر نکل سکتی ہیں۔ [1] سر الشہادتین مطبع مصطفائی لکھنؤ ۱۲۵۷ھ ص ۳۷،

كما اعطى يونس عليه السلام واعطى الشكر كما اعطى نوح عليه السلام وقد زيد له كمالات أخر من انواع الولايات والمحبوبية المطلقة والاصطفاء المطلق والرؤية والقرب الاتم والشفاعة العظمى والجهاد مع اعداء الله تعالى الى غير ذلك من الكمالات كالعلم الوسيع والعرفان الاتم والقضاء والفتياء والاجتهاد والاحتساب والقراءة وغيرها لكن بقي له كمال لم يحصل له بنفسه يعني الشهادة[1]

جیسے نوح علیہ السلام کا، ان سے زیادہ حضرت میں اور کمالات تھے، چنانچہ ولایت، اور تصرفات ہر قسم کی اور سب طرح کی محبوبی، اور سب کاموں کی مقبولی، اور دیدار الٰہی، اور نہایت خدا کی نزدیکی، اور شفاعت کبریٰ اور کافروں سے جہاد، سوائے اس کے اور کمالات جیسے علم بےشمار اور پتے سرے کا عرفان، اور قضیے فیصل کرنا، اور فتویٰ دینا، اور اجتہاد اور محتسبی، اور قرأت وغیرہ لیکن آپ میں ایک کمال باقی رہ گیا تھا کہ حضرت کی ذات میں حاصل نہ تھا، یعنی شہادت،

مسح النبی جبینه	فله بریق فی الخدود
اس جبیں کو نبی نے چوما تھا	تھی چمک کیا ہی اس کے چہرے پر
ابواه فی علیا قریش	وجده خیر الجدود[1]
اس کے ماں باپ تھے قریش کی جان	اس کا نانا جہان سے بہتر تھا،

[1] سر الشہادتین ص ۵۰

(۷) **آداب الحرمین**[1]: یہ رسالہ ۱۲۴۹ھ/۱۸۳۳ء کی تالیف ہے، تقطیع متوسط اور صفحات ۲۰ ہیں، مطبع محمدی لکھنؤ سے محمد حسین نے ۱۲۵۰ھ/۱۸۳۴ء میں شائع کیا تھا، یہ رسالہ مولانا نے سید میرک جان تشنا ورلکھنوی کی فرمایش پر لکھا تھا، اس میں حج اور زیارت مدینہ منورہ کے متعلق ضروری مسائل درالمختار اور شرح الوقایہ سے مرتب کئے گئے ہیں، رسالہ کی ابتدا میں ہے،

"اما بعد یہ رسالہ ہے آداب الحرمین اس میں ضروری مسائل حج کے اور زیارت مدینہ کے اردو میں صاف صاف بیان ہیں، شرح وقایہ اور دُرالمختار وغیرہ سے بندہ عاجز خرم علی نے بموجب فرمایش سید میرک جان تشنا ورلکھنوی کے ۱۲۴۹ھ میں مرتب کیا، حق تعالیٰ مسلمین کو اس سے فائدہ بخشے، آمین"

عبارت کا نمونہ یہ ہے،

"حج فرض ہے جو اس کو نہ مانے وہ کافر ہے، حج اس مسلمان عاقل بالغ پر فرض ہے جو آزاد اور تندرست اور مقدور والا ہو، یعنی آتے جاتے اہل وعیال کے خرچ کے سوائے اس کے پاس خرچ اور سواری میسر ہو، اور راہ میں امن ہو، اور عورت پر اس وقت فرض ہے کہ اس کے ساتھ خاوند یا محرم ہو، تمام عمر میں ایک بار حج فوراً فرض ہے یعنی مقدور ہو کر سستی کرنا سخت گناہ ہے، "فرائض حج" حج میں تین فرض ہیں، ایک احرام، دوسرے وقوف عرفہ یعنی عرفے کے دن عرفات میں ٹھہرنا، اگرچہ ایک ساعت ہی ہو، تیسرے طواف الزیارۃ، ان تین میں سے اگر کوئی ترک ہو تو حج نہ ہو"[2]

[1] یہ رسالہ آداب الحرمین کتب خانہ خاص انجمن ترقی اردو (پاکستان) کراچی میں ہماری نظر سے گزرا ہے، اس پر سنہ طباعت درج نہیں لیکن اسی مطبع کا چھپا ہوا جو نسخہ کتب خانہ سعیدیہ ٹونک میں محفوظ ہے، اس پر بھی سنہ طباعت درج ہے [2] آداب الحرمین ص ۲

یہ رسالہ اگرچہ ۳۰ صفحات پر مشتمل ہے لیکن آداب تحریر ۱۳ صفحات پر ختم ہو جاتا ہے، چودہویں صفحہ سے پھر ادعیہ ماثورہ شروع ہوتی ہیں، جو محمد حسین خان نے حجاج کی سہولت کے لئے نقل کی ہیں۔

(۸) **رسالہ منع قرأت فاتحہ خلف الامام**: یہ رسالہ موصوف نے احناف کے معرکۃ الآرا مسئلہ مقتدی کے امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنے کی تائید میں لکھا ہے، مگر یہ نسخہ ناپید ہے۔

مولوی رحمان علی تذکرۂ علمائے ہند" میں لکھتے ہیں،

"رسالہ منع قرأت فاتحہ خلف الامام و ترجمہ مشارق الانوار...... ازو یادگار ماند"[٥١]

وفات[٥٢] مولانا خرم علی بلہوری نے کم و بیش چالیس پینتالیس سال تک مسلسل مسلمانوں کی اصلاح،

---

[٥١] تذکرۂ علمائے ہند طبع دوم نولکشور ۱۳۳۲ھ ۱۹۱۴ء ص ۵۰ [٥٢] مولانا کے سال وفات میں اختلاف ہے، امام خان نوشہروی نے (تراجم علمائے حدیث ہند مطبوعہ دہلی ۱۳۵۶ھ جلد ۱ ص ۱۰۹) اور مولانا مسعود عالم ندوی نے ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک طبع راولپنڈی ص ۱۷ میں آپ کا سال وفات ۱۲۶۰ھ نقل کیا ہے، جو بداہۃً غلط ہے، کیونکہ یہ زمانہ آپکے درالمختار کے ترجمہ کا ہے، جیسا کہ اوپر بیان ہوا،

مولانا محمد احسن نانوتوی کا بیان ہے کہ آپنے ۱۲۷۱ھ میں انتقال کیا، چنانچہ غایۃ الاوطار (طبع نولکشور ۱۳۱۰ھ ج ۔ ص ۳) کے دیباچہ میں لکھتے ہیں،

"پھر محرم ۱۲۷۱ھ تک کتاب الحج کا ترجمہ پورا کر کے شروع کتاب سے باب الاذان تک لکھنے پائے تھے کہ یکایک رہگرائے عالم بقا ہوئے،

اسی عبارت کا ترجمہ فارسی میں مولوی رحمان علی نے تذکرہ علمائے ہند میں کر دیا ہے، ان کے الفاظ یہ ہیں،

"پس از آن بماہ محرم بسال دوازدہ صد و ہفتاد و یک ہجری ترجمہ کتاب الحج مکمل نمودہ از شروع کتاب تا باب الاذان ترجمہ نوشتہ بودند کہ ہمدریں سال داعی اجل را

ترویج سنت اور تصنیف و تالیف میں معروف رہ کر ۱۲۷۳ھ میں اپنے ننہیالی قصبہ آسیون میں انتقال فرمایا، اور وہیں آبادی کے شمال مغربی گوشہ میں عیدگاہ کے پاس دفن ہوئے، سقی اللہ ثراہ و جعل الجنۃ مثواہ، آمین،

(بقیہ حاشیہ ص ۶۸) لبیک گفتہ رہگرائے عالم بقا شدند"

یہی سال وفات مولانا غلام رسول مہر نے اپنی تازہ تالیف "جماعت مجاہدین" (طبع لاہور ص ۲۹۲) میں نقل کیا ہے، نواب صدیق حسن خان نے آپ کا سال وفات ۱۲۸۰ھ لکھا ہے، چنانچہ اتحاف النبلاء (طبع کانپور ۱۲۸۸ھ ص ۱۴۹) میں لکھتے ہیں،

"شرح اردوئے مشارق مسمی تحفۃ الاخیار از مولوی خرم علی بلہوری المتوفی ۱۲۸۰ھ ثمانین و مائتین و الف است و ایں شرح دو بار در ہند علیہ طبع پوشید و عوام مسلمین بلکہ خواص مومنین را نفع خاص و عام بخشید"

مولانا محمد احسن نانوتوی اور نواب صدیق حسن خان کے بیان میں اتنا تفاوت ہرگز نہیں ہو سکتا، مولانا محمد احسن نانوتوی کے بیان سے زیادہ سے زیادہ دو تین سال کا فرق تو نکل سکتا ہے، لیکن سات آٹھ سال کا فرق ممکن نہیں، کیونکہ یہ زمانہ موصوف کی درالمختار کے ترجمہ پر نظر ثانی کا ہے، اس لئے نواب صدیق حسن خان کا بیان زیادہ قوی نہیں۔

صحیح روایت یہی ہے کہ موصوف نے ۱۲۷۳ھ کے اختتام میں وفات پائی، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں،

"۱۲۷۳ھ میں قاضی حسین الدین صاحب کے قاضی پرگنہ آسیون مقرر کئے جانے کے متعلق جو صورت حال یا محضر لکھا گیا تھا، اس پر شرفائے قصبہ آسیون کے دستخط ہیں، ان میں مولانا خرم علی کے بھی دستخط ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ رجب ۱۲۷۳ھ تک بقید حیات تھے"،

مولانا سید ابوالحسن صاحب کی یہ تحقیق بھی دراصل حکیم عبدالعلی آسیونی کے افادات میں سے ہے، جنھوں نے آسیون کی تاریخ لکھی تھی، مگر چھپی نہیں، افسوس! تین ماہ ہوئے کہ موصوف کا راولپنڈی میں انتقال ہو گیا رحمہ اللہ،

آثارِ علمیہ

مکتوبات مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ

بنام

شاہ معین الدین احمد ندوی

(۳۳)

بھوپال

برادرم السلام علیکم ورحمۃ اللہ

کارڈ ملا، گاندھی جی کا ماتم دیکھا، اُردو اور آمد کا فرق، اور سب ٹھیک ہے،

بہتر ہے شذرات نہ بھیجیں، مقصود یہ ہے کہ لہجہ میں، خیالات میں، تعبیر میں ہر چیز میں اعتدال ملحوظ رہے، سیاسیات کا میدان آجکل تنگ ہے، ملک کا نقشہ بدل گیا ہے، اس لیے آپ کا قلم نہایت محتاط رہے، تنقید میں اعتدال ہو، ابتذال نہ ہو،

شیخ ریاست علی ندوی مرحوم کے انتقال کی خبر سنی، اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائیں، مولوی مسعود علی صاحب کے لیے ایک مزید فکر ہوئی،

سید حسین کا اناؤں میں تبادلہ ہوگیا، عاصم میاں کراچی کے ارادہ سے بمبئی گئے ہیں، اسلم میاں مصروف علاج ہیں، زکام بار بار ہوتا ہے۔

والسلام

سید سلیمان - فروری سنہ ۱۹۴۸ء

۳۴

برادرم رفقکم اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ، کل مولوی مسعود علی صاحب کے خط سے معلوم ہوا کہ پریس میں کاغذ کی خرید کے سلسلہ میں کسی بے ضابطگی کی بنا پر کوئی امر پیش آیا ہے، میں معاملہ کی شکل کو پوری طرح سمجھ نہیں سکا، وہ چاہتے ہیں کہ میں آکر اس معاملہ کو سلجھاؤں، ظاہر ہے کہ یہ کام جس اثر و رسوخ کو چاہتا ہے اور اس کے لیے جو حسن تدبیر چاہیئے، میں اس سے عاری ہوں، بہرحال اگر صورت حال سے مطلع کیا جاؤں تو بہتر ہے، اللہ تعالیٰ خیر فرمائے،

میرا قصد ایک ماہ ۸ یوم کی رخصت پر وطن جانے کا ہے، بعض ذاتی معاملات جو انقلاب حال کا نتیجہ ہیں، میرے اس سفر کے داعی ہیں، ممکن ہوا اور ضرورت ہوئی تو آتے یا جاتے ایک آدھ روز کے لیے حاضری ہوسکتی ہے،

معاوضۂ امتحان کا ایک کاغذ بھیج رہا ہوں، اس پر دستخط کر دیے ہیں، حاشیہ پر بھی میرا ایک دستخط ہے، وہاں پر یحییٰ صاحب اس شخص کا نام لکھ دیں جس کے ذریعہ خزانہ سے برآور کیا جائے، روپیہ برآمد ہونے کے بعد یحییٰ صاحب میرے کھاتے میں جمع کرلیں۔

ایک تحریر بھیجتا ہوں، جس میں میرے مضمون "سید حسین کی موت" میں بعض غلطیوں کی تصحیح ہے، اس کو معارف میں دیدیں،

آپ کا کارڈ ملا تھا، خیریت ہے، آپنے معارف میں میری علالت کا تذکرہ کردیا تو ایک کام اور بڑھ گیا، یعنی بعض دوستوں کی احوال پرسی کے خطوط کا جواب،

اب آپ یحییٰ صاحب سے پوچھکر یہ لکھیں،

۱- معارف کی خریداری کی تعداد اس وقت کیا ہے،

۲۔ یکم جنوری سے مارچ تک کتابوں کی خریداری سے کتنی آمدنی ہوئی،

۳۔ پہلی تاریخ کو تنخواہوں کی تقسیم میں کوئی دقت تو پیش نہیں آتی ہے،

۴۔ پاکستان میں کتابیں اس عرصہ میں کتنی گئیں،

معلوم نہیں حیدرآباد کی امداد کھلی یا نہیں،

رفقاء کو سلام کہیے، حکیم صاحب اور بشیر صاحب کو بھی جواب دینے کے پتہ سے دیں۔

"سندھ کے شاہان عرب" پر ایک مختصر مضمون بھی بھیج رہا ہوں، والسلام

سید سلیمان، ۶ مئی ۱۹۴۹ء

۳۵

اناؤ

برادرم السلام علیکم ورحمۃ اللہ

الحمد للہ خیریت ہے، آپ کا کارڈ اس وقت ملا جب میں سفر پر آمادہ تھا، کل صبح بھوپال سے چل کر رات کو یہاں پہنچا، الحمد للہ خیریت سے پہنچا، یہاں بھی سب کو مع الخیر پایا، سفر کا باعث لکھنؤ میں ۲۷-۲۸ مئی کو عربی و فارسی کمیٹی کا جلسہ ہے، اسی سلسلہ میں ندوہ کے بعض معاملات توجہ طلب ہیں جس کے لیے ڈاکٹر صاحب نے بلایا ہے، رخصت ۳۱ تک ہے، یعنی ۳۱ کو واپس چلا جاؤں گا، اعظم گڈھ آنیکا موقع نہیں،

معلوم نہیں برادرم اسلم واپس آئے یا نہیں؟ اور صباح الدین سلمہ کیسے ہیں، بمبئی جو وفد کالج کا گیا تھا، وہ واپس آیا یا نہیں، بمبئی میں وہ مجھے ملا تھا،

نیاز صاحب، بشیر صاحب اور حکیم صاحب کو سلام کہدیجیے،

والسلام

سید سلیمان، ۲۵ مئی ۱۹۴۸ء

۳۶

دیسنہ ضلع پٹنہ

برادر عزیز وفقکم اللہ تعالیٰ لما یحب و یرضی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ، میری ذات میں یاس کا پہلو غالب رہتا ہے، اسی لیے آمدنی کا نقشہ منگوایا تھا، نقشہ کو دیکھا، اگر پورا سال اسی طرح گذر جائے تو انشاء اللہ تعالیٰ اطمینان بخش صورت پیدا ہوگی،

کاغذ کے معاملہ کا حال سنکر تسکین ہوئی،

اپیل کا عملی نتیجہ کیا نکلا؟

بھوپال میں ابتک مذہبی صیغوں میں کسی تبدیلی کی اطلاع نہیں ملی تاہم خوف ہر وقت ہے، بھوپال میں قیام میں اب کوئی دلچسپی نہیں رہی، مسلم یونیورسٹی اور ہمسایہ مملکت سے کئی تحریکیں ہوئیں، مگر فیصلہ کچھ کیا نہ جاسکا،

صباح الدین بخیریت ہیں،

حیدرآباد کی امداد کے متعلق کوئی مزید اطلاع ملی ہو تو لکھیے گا،

معلوم نہیں مولوی مسعود علی صاحب واپس آئے یا نہیں،

اس وقت بحمد اللہ میرا گھر بھرا ہوا ہے، اسلم صاحب مع اہلیہ و فرزند رانچی سے اور عاصم سلمہ مع اہلیہ و فرزندان کراچی سے اور سہیل سلمہ مع اہلیہ و فرزندان ڈھاکہ سے آئے ہوئے ہیں، ناتی اور پوتے کھیل رہے ہیں،

معارف کی لکھائی اور چھپائی، نیز کتابوں کی چھپائی بھی گر رہی ہے، ادھر توجہ کی ضرورت ہے۔

والسلام

سید سلیمان، ۲۷ مئی ۱۹۴۹ء

۳۷

بھوپال

برادر عزیز اعزکم اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ کارڈ اور پھر لفافہ ملا، الحمد للہ تعالیٰ خیریت ہے، لفافہ کی تعمیل کی کوشش کیجائیگی، انشاء اللہ تعالیٰ،

میرا ارادہ لکھنؤ یوپی عربی و فارسی نصاب کی کمیٹی میں شرکت کا ہے، جسکی تاریخیں ۳-۴-۵ جولائی ہیں، اگر آپ کو موقع ہو تو آکر مل لیں، ڈاکٹر صاحب کے پاس قیام ہوگا، یا ندوہ میں آپکو ڈاکٹر صاحب کا حال معلوم ہوجائیگا، یہاں تخمی میٹھے آم ملتے ہیں، وہ کھائے جارہے ہیں، یہاں برسات شروع ہوگئی ہے، گرمی رخصت ہوگئی، راتیں مالوہ کی خنک ہوتی ہیں،

والسلام

سید سلیمان، ۲۴ جون ۱۹۴۸ء

۳۸

بھوپال

برادرم السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کا کارڈ ملا، آپ کی فرمائش کی تعمیل کی گئی، شذرات کی رجسٹری آج جاتی ہے، ایسا نہ ہو کہ عید اضحیٰ کی چھٹی کا عذر کرکے اس کو آیندہ کے لیے رکھ دیجئے، اگر ایسی صورت ہو تو پھر اس کو حذف ہی کردیجئے، جو کچھ لکھا گیا ہے اس کو آپ اور مولوی صاحب پڑھ لیں،

الحمد للہ خیریت ہے، اکتوبر میں اورنٹیل کانفرنس دربھنگہ اور ہندستانی اکیڈیمی الہ آباد اور ہندستانی کانفرنس لکھنؤ سے دعوت آئی ہے، دیکھئے کیا ہو،

بزم تیموریہ پہنچی، خیر میاں صباح الدین بھی مصنفین کے زمرہ میں شامل ہوگئے، برادرم اسلم کو سلام کہہ دیجئے، انکو ایک لفافہ لکھا تھا، معلوم نہیں ان کو ملا یا نہیں، نیاز صاحب، بشیر صاحب اور حکیم صاحب کو سلام کہدیں،

والسلام۔ سید سلیمان۔ ۳۰ ستمبر ۱۹۴۸ء

ادبیات

غزل

از

جناب سید شاہ ولی الرحمٰن صاحب

وادیِ پُرخطر وہی، رہروِ باوفا وہی — عقل شکستہ پا وہی، عشق سا رہنما وہی

گرمِ سفر ہے صبح و شام، تیرا مسافرِ دوام — راہ کی سختیاں وہی، کثرتِ نقشِ پا وہی

عشق کی بھی وہی ہے آن، حسن کی بھی وہی ہے شان — صبر گریز پا وہی، عشوۂ دلربا وہی

بیخودیِ نیاز مند، گو نہ ہو ناز کو پسند — سجدۂ سنگِ در وہی، ناصیۂ وفا وہی

موجِ نسیم ہر سحر، مشک فشاں ہے دربدر — کاکلِ مشکسا وہی، نکہتِ جانفزا وہی

عشق بھی ہے جنوں بدوش، حسن بھی ہے چمن فروش — حیرتِ چشمِ تر وہی، جلوۂ خودنما وہی

کچھ نہیں میکدے میں دھوم، زندگی کا کہاں ہجوم — بادۂ مشکبو وہی، ساقیِ خوش ادا وہی

عالمِ عشق ہے اداس، کوئی نہیں ادا شناس — نرگسِ سحر فن وہی، قامتِ حشر زا وہی

دعویِ برہمن فضول، شیخ کی بحث بے اصول — بت وہی، بتکدہ وہی، کعبہ وہی، خدا وہی

ہجر کی سختیوں پہ بھی، دل کی خلش نہ مٹ سکی — ہے وہی اشتیاقِ دید، وصل کا آسرا وہی

عشق کی بجھ سکی نہ آگ، دل کو وہی وہی ہے لاگ
شورشِ دشمناں وہی، طعنۂ اقربا وہی

غزل

از جناب سید علی جواد زیدی

ظلمت کدوں میں کل جو شعاعِ سحر گئی — تاریکیِ حیات یکایک ابھر گئی
نظارۂ جمال کی فرصت ملی کہاں — پہلی نظر، نظر کی حدوں سے گذر گئی
اظہارِ التفات کے بعد انکی بے رخی — اک رنگ اور نقشِ تمنا میں بھر گئی
اب دورِ کارسازیِ وحشت نہیں رہا — اب آرزوئے لذتِ رقصِ شرر گئی
ذوقِ جنوں وجذبۂ بیباکِ دردِ عشق — ویرانیوں میں بھی مری دنیا سنور گئی
یادِ جفائے یار ہے، اک دردِ مستقل — یادِ وفائے یار ادھر آئی ادھر گئی
اک داغ بھی جبیں پہ مری آگیا تو کیا — شوخی کسی کے نقشِ قدم کی ابھر گئی
تارے سے جھلملاتے ہیں مژگانِ یار پہ — شاید نگاہِ یاس بھی کچھ کام کر گئی
تم نے تو اک کرم ہی کیا حال پوچھکر — اب کیا بتاؤں کیا مرے دل پر گذر گئی
وہ حسن جلوہ ریز نظر سوز بھی تو تھا — پردے پڑے ہوئے تھے جہاں تک نظر گئی

سارا قصور اس نگہ فتنہ جو کا تھا
لیکن بلا نگاہِ تمنا کے سر گئی

مطبوعاتِ جدیدہ

مشاہیرِ جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء تا ۱۹۵۶ء — از جناب مفتی انتظام اللہ صاحب شہابی تقطیع چھوٹی، ضخامت ۴۰۰ صفحات، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر، قیمت للعہ، پتہ: محمد سعید اینڈ سنز تاجران کتب قرآن محل مقابل مولوی مسافر خانہ کراچی۔

انگریزوں نے ہندوستان کی حکومت مسلمانوں سے چھینی تھی، اس لیے قدرۃً ان ہی کو اسکا زیادہ غم اور ان ہی میں انگریزوں کی مخالفت کا سب سے زیادہ جذبہ تھا، چنانچہ شروع میں ان کو انگریز قوم اور ان کی تعلیم و تہذیب سے جو نفرت تھی اس میں مذہب کے ساتھ سیاسی جذبہ کو بھی دخل تھا، اس لیے آزادی کا جذبہ بھی سب سے پہلے ان ہی میں پیدا ہوا اور ٹیپو سلطان، حضرت سید احمد بریلوی اور مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کے مجاہدات سے لیکر ۱۸۵۷ء کے انقلاب تک مختلف شکلوں میں ظاہر ہوتا رہا، ۵۷ء کے انقلاب میں گو ہندو مسلمان دونوں شریک تھے لیکن مسلمان زیادہ نمایاں تھے اور انگریز بھی اصل حریف ان ہی کو سمجھتے تھے، چنانچہ اس انقلاب کی ناکامی کے بعد اس کا سب سے زیادہ خمیازہ مسلمانوں ہی کو بھگتنا پڑا، اور وہ جس طرح پست و پامال کیے گئے اس سے ہر تاریخ داں واقف ہے، آخری جنگ آزادی میں بھی ان کا قدم پیچھے نہیں رہا، اور حضرت شیخ الہند، مولانا حسین احمد مدنی، مولانا محمد علی، حکیم اجمل خاں، مولانا ابو الکلام، مولانا شوکت علی، ڈاکٹر انصاری اور خان عبد الغفار خاں وغیرہ کے نام جنگ آزادی کی تاریخ سے مٹائے نہیں مٹ سکتے، مگر پھر فرقہ پرستوں کی تنگ نظری سے ایسے حالات پیش آئے کہ مسلمانوں کا بڑا حصہ کانگریس سے الگ ہو گیا جس کا نتیجہ ہندوستان کی تقسیم کی

شکل میں ظاہر ہوا، اس کے انتقام اور فرقہ پرستی کے جذبہ میں مسلمانوں کا نام ہی ہندوستان کی آزادی کی تاریخ سے خارج کیا جارہا ہے، چنانچہ گذشتہ مئی میں ۱۹۵۷ء کے انقلاب کی جو یادگار منائی گئی، اس میں ان کا نام بہت کم آنے پایا ہے، ہندوؤں میں صرف چند ایسے منصف مزاج ہیں، جن کو ہندوستان کی آزادی میں مسلمانوں کی قربانیوں کا بھی اعتراف ہے، ورنہ عام طور پر تو ان کا نام بھی نہیں لیا جاتا، مذکورۂ بالا کتاب ہندوستان کی جنگ آزادی میں مسلمانوں کے کارناموں پر لکھی گئی ہے، اس میں حضرت سید احمد بریلویؒ کے جہاد سے لیکر ہندوستان کی آزادی تک کے تمام مسلمان سرفروشوں کے حالات ہیں، اور ہندوؤں کو بھی نظرانداز نہیں کیا ہے، اور ہر دور کے نامور ہندو لیڈروں کے حالات اور ان کے کارناموں کا بھی ذکر کیا گیا ہے، اس کتاب کے مطالعہ سے اس کا اندازہ ہوتا ہے کہ ہندوستان کی تحریک آزادی میں مسلمانوں کا کتنا بڑا حصہ ہے اور انھوں نے اس کے لیے کتنی قربانیاں کی ہیں، یہ اور بات ہے کہ آخری دور کے حالات نے انکو کانگریس سے جدا کر دیا تھا، پھر بھی مسلمانوں کی خاصی تعداد جنگ آزادی میں برابر شریک رہی،

گویا دبستاں کھل گیا - مرتبہ ہما بیگم صاحبہ، تقطیع چھوٹی، ضخامت ۲۰۸ صفحات، کاغذ، کتابت وطباعت بہتر، قیمت مجلد ع۶ر، پتہ (۱) اکاڈمی پنجاب ال روڈ، لاہور، (۲) پبلشر یونائیٹڈ لمیٹڈ انارکلی لاہور،

چودھری محمد علی صاحب رد ولوی اردو زبان کے صاحبِ طرز ادیب ہیں، اور ان کا طرز نہایت دلکش و دلپذیر ہے، انکی کئی کتابیں شائع ہو چکی ہیں، اب ان کی صاحبزادی ہما بیگم صاحبہ، بیگم جسٹس اخلاق حسین صاحب نے ان کے مکاتیب کا مجموعہ "گویا دبستاں کھل گیا" کے نام سے شائع کیا ہے، اس کے بیشتر خطوط خود ہما بیگم اور بعض دوسروں کے نام کے ہیں، کسی شخص کے اصلی جذبات وخیالات اور اس کی بے ساختہ تحریر کا موقع ان کے پرائیوٹ خطوط ہی میں نظر آتا ہے، جن میں مصلحت کی

دراندازی کو دخل نہیں ہوتا اور وہ بے تکلفی کے ساتھ دوسروں سے باتیں کرتا ہے، چودھری صاحب بجائے خود ایک انجمن ہیں، ان کے خیالات میں بڑا تنوع، بڑی رنگا رنگی اور بڑا فنیشب فراز ہوتا ہے، اس کا عکس ان خطوط میں بھی ہے، چنانچہ اس میں مذہب، اخلاق، سیاست ومعاشرت، شعروادب سے لیکر چھوٹی چھوٹی گھریلو باتیں تک ہیں، جن سے ان چیزوں کے متعلق انکے خیالات کا پتہ چلتا ہے، ان خطوط میں وہ بولتے نظر آتے ہیں، اور ان میں وہی لطافت وحلاوت، بیان کی شگفتگی ودلکشی ہے، جو ان کی باتوں میں ہوتی ہے، چودھری صاحب طبیعت کی آمد کو نہیں روک سکتے، جس وقت ان پر جس قسم کے خیالات کا غلبہ ہوتا ہے، اس کو گفتگو میں بھی ظاہر کرتے ہیں، اور تحریر میں بھی، اس لیے کبھی کبھی گفتنی کے ساتھ ناگفتنی بھی کہہ جاتے ہیں، یہ آمد ان خطوط میں بھی ہے، جو ممکن ہے بعض طبائع پر گراں گذرے، لیکن یہ اپنا اپنا ذوق ہے، چودھری صاحب امراء وشرفائے اودھ کے اس پرانی بزم کی یادگار ہیں، جن سے ہماری قدیم تہذیب زندہ تھی، اور جو اپنی بعض خامیوں کے باوجود اپنے اندر بہت سی خوبیاں رکھتی تھی، اب یہ بساط ہی الٹ چکی ہے، اس لیے اس کی جو یادگاریں باقی ہیں، بہت غنیمت ہیں، ان کے بعد بالکل سناٹا ہے،

سروش ہستی - مرتبہ جناب حمید عظیم آبادی، تقطیع اوسط، ضخامت ۱۸۰ صفحات، کاغذ، کتابت وطباعت بہتر، قیمت مجلد ہیر، پتہ کتاب منزل سبزی باغ، پٹنہ نمبر ۴

فارسی اور اردو شاعری میں کسی واقعہ یا مسلسل خیال کے اظہار کے لیے قطعہ مخصوص ہے فارسی میں بکثرت حکیمانہ اور اخلاقی قطعات ہیں، بلکہ بعض شعراء، مثلاً ابن یمین تو قطعات ہی کے لیے مشہور ہیں، مگر اردو شاعروں پر غزل ایسی چھائی ہوئی تھی کہ انھوں نے قطعات کی طرف کم توجہ کی، پھر بھی ہر بڑے شاعر کے کلام میں کچھ نہ کچھ قطعات بھی پائے جاتے ہیں، جب شاعری کا پرانا رنگ بدلا اور مسلسل نظموں کی جانب رجحان ہوا تو قطعات کی طرف بھی توجہ ہوئی

شاد عظیم آبادی ان شعرا میں ہیں، جنھوں نے جدید اثرات کو بہت پہلے قبول کیا تھا، چنانچہ انھوں نے بہت سے قطعات بھی کہے، سروش ہستی ان کے قطعات کا مجموعہ ہے، اس میں مختلف واقعات اور جذبات و تاثرات پر اڑتالیس قطعات ہیں، شاد اپنے دور کے اساتذہ میں تھے، لیکن دراصل وہ غزل کے شاعر ہیں اور اس میں وہ اپنے دور کے تمام شعرا میں ممتاز ہیں، اور تغزل میں ان کا جو پایہ ہے وہ قطعات نگاری میں نہیں ہے، تاہم وہ استاد فن تھے اور جس صنف کی طرف بھی توجہ کرتے تھے، اس میں کسی سے پیچھے نہ رہتے تھے، اس لیے ان کے قطعات میں بھی ان کی قادر الکلامی نمایاں ہے، اور وہ ادبی حیثیت سے زیادہ خیالات کے اعتبار سے اصحاب ذوق کے مطالعہ کے لائق ہیں، کتاب کے شروع میں مرتب اور پروفیسر ذکی الحق کے قلم سے قطعہ نگاری کی تاریخ اور شاد کی قطعہ نگاری پر تبصرہ ہے۔

شرح تحفۃ العراقین - میر محمد اسمٰعیل امجدی، تقطیع بڑی، ضخامت ۸۰ ۲ صفحات، کاغذ عمدہ، خوبصورت ٹائپ میں چھپی ہے، مجلد، قیمت تحریر نہیں، مدراس یونیورسٹی مدراس سے ملے گی۔

کرناٹک (مدراس) کے والا جاہی خاندان کا ملک الشعرا میر محمد اسمٰعیل امجدی فارسی اور اردو دونوں زبانوں کا قادر الکلام شاعر تھا، دونوں میں اس کے دیوان موجود ہیں، فارسی زبان کا ادیب بھی تھا، چنانچہ اس نے خاقانی کی مشہور مثنوی، تحفۃ العراقین کی شرح لکھی تھی، مدراس یونیورسٹی اس کی کئی کتابیں شائع کر چکی ہے، اب اس نے تحفۃ العراقین کی شرح بڑے اہتمام سے شائع کی ہے، اور اس کے لائق مرتب مولوی محمد یوسف کوکن لکچرار اردو نے جو کئی سال دار المصنفین میں رہ چکے ہیں، متعدد نسخوں سے مقابلہ کر کے اس کی تصحیح کی ہے، اور کتاب کے شروع میں خاقانی کے مختصر حالات تحریر کئے ہیں، اور تحفۃ العراقین کا تعارف کرایا ہے، اس زمانہ میں جب ہندوستان سے فارسی کیا اردو کا بھی خاتمہ ہو رہا ہے، اس قسم کی یادگاروں کو زندہ کرنا بڑی علمی خدمت ہے، یہ غنیمت ہے کہ مدراس یونیورسٹی تک ابھی لسانی تعصب کی وبا نہیں پہنچی ہے، اور وہ اردو اور فارسی دونوں زبانوں کی خدمت کرتی رہتی ہے۔

"م"

جلد ۸۰ ماہ محرم الحرام ۱۳۷۷ھ مطابق ماہ اگست ۱۹۵۷ء عدد ۲

مضامین

مقالات

آثار علمیہ

ادبیات